www.urducouncil.nic.in

مئی 2021 ، قیمت :- ₹10

ماھنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

بچوں کی محلّہ لائبریریاں

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اُردو دُنیا
Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد: 9 شمارہ: 05 مئی 2021

مدیر: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

مدیر منتظم: اجمل سعید

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت تعلیم، محکمۂ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون: 49539000
شعبہ ادارت: 11-49539009
ای میل
bachonkidunlya@ncpul.in
editor@ncpul.in
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ /100 روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتے پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی - 110066
فون: 26109746
ای میل: sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 110-7-22 بھر ڈفلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدر آباد-500002
فون: 040-24415194

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	04
ڈاک عانہ	قارئین	05
	مضامین	
آئس کریم کی ایجاد	سلمٰی یوسف حسین	06
کام اور اتحاد	سلام بن رزاق	08
بچوں کی محلہ لائبریریاں	نسرین سلطانہ سید جلال الدین	11
صبح اٹھنے کے فائدے	مومن فیاض احمد غلام مصطفیٰ	13
یوم عید	عشرت جہاں	17
	ماں کے نام	
ماں	کرشن کمار طور	21
ماں شجر تو سایہ دار	نعیمہ امتیاز	22
میں نے جنت تو نہیں دیکھی ہے ماں دیکھی ہے	محمد اکرام	23
	نظمیں	
نظمیں	عبدالمنان طرزی	27
دن دن ٹوٹو	شاہد جمیل	28
جھوٹ سے دور ہی رہو بچو	سید بشیر احمد بشیر	29
موج مستی کے دن	محمد وزیر عالم	30
اپنی پہچان ہے اپنا ہندوستان	ذوالفقار خان زلفی	31
سحری والے	منصور خوشتر	32
	کہانیاں	
اٹرن زوم	قمر سلیم	33
اور چڑیا پھنس گئی	سراج فاروقی	36
مٹی کا کٹورا	محمد ارشد خان	39
مئی کی چھٹیاں	افشاں زریں	43
انگریزی کے کلاس کی روداد	شفق اسعد	46
	ڈراما	
عقل مند قاضی	محمد یحییٰ جمیل	48
	سائنس نامہ	
شہد: ایک نعمت	عبدالودود انصاری	51
	بچوں کا کتب خانہ	
اونچی اڑان	شہناز پروین	55
	صحت اطفال	
پلیورم	عظیم اقبال	57
	زبان شناسی	
محاورے		59
	جنرل نالج	
معلومات عامہ		60
	کہکشاں	
چمن چمن کے پھول		61
	ننھے فنکار	
بچوں کی پینٹنگ		62

ہر زمانے میں ایثار و قربانی کے جذبے کی اہمیت رہی ہے۔ تمام قوموں اور مذاہب میں اس کی مثالیں بھی موجود ہیں۔ یہ جذبہ کبھی ملک کے تئیں ہوتا ہے تو کبھی قوم و ملت، اعزا و اقربا، خاندان کے افراد کے لیے اور یقینی طور پر یہ جذبہ قابل قدر ہے۔ لیکن ان سب میں ایثار و قربانی کی اعلیٰ ترین مثال 'ماں' ہے جو اپنے بچوں کی خاطر اپنی تمام خوشیاں قربان کر دیتی ہے۔ بچہ جب بولنے کی عمر کو پہنچتا ہے تو سب سے پہلے بچے کی زبان پر جو لفظ آتا ہے وہ 'ماں' ہے۔ یہی اس کی تعلیم و تربیت کی ابتدا بھی ہے۔ ماں ہی سب سے پہلا گہوارہ ہے اسی لیے سب سے زیادہ اہمیت انسانی زندگی میں ماں ہی کو حاصل ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ماں کے ایثار و قربانی کے جذبے کو ذہن نشین کرانے کے لیے ہر سال 9 مئی کو دنیا کے زیادہ تر ممالک میں یوم مادر منایا جاتا ہے۔ اس مناسبت سے اس شمارے میں کئی تخلیقات شامل کی گئی ہیں جن میں ماں کی عظمت، محبت، ایثار، عطوفت کو خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے تاکہ بچے اپنی ماؤں کی قدر و منزلت کا صحیح طور پر احساس کر سکیں اور انھیں اپنی زندگی کی سانسوں میں اس طرح شامل رکھیں کہ ماں کے بغیر انھیں اپنا وجود بے معنی اور بے کیف محسوس ہو۔ بچوں کے لیے سب سے پہلی کتاب 'ماں' ہی ہوتی ہے اسی لیے کتابوں سے بچوں کا رشتہ جوڑنا بہت ضروری ہے اور اس کے لیے یہ بھی لازمی ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے لیے لائبریریاں قائم کی جائیں تاکہ انھیں کتاب حاصل کرنے یا پڑھنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ فخر اور مسرت کی بات یہ ہے کہ اورنگ آباد (مہاراشٹر) کی ایک کمسن لڑکی مرزا مریم نے ہر محلے میں لائبریری قائم کرنے کا عزم کیا ہے۔ اس کمسن لڑکی کے عزم اور جذبے کو سلام!

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' بنیادی طور پر بچوں کی ذہنی اور تحریری تربیت کے لیے شائع کیا جاتا ہے اس لیے ہمیشہ یہ کوشش کی جاتی ہے کہ شمارے میں ایسا مواد شامل کیا جائے جو بچوں کے لیے دلچسپ بھی ہو، معلوماتی بھی، مفید بھی اور اس میں ایسی تحریریں بھی ہوں جن سے انھیں تحریک و ترغیب مل سکے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس مقصد میں ہم کافی حد تک کامیاب ہیں۔ بچوں کی ذہنی سطح اور دور جدید کے تقاضوں کا خیال رکھتے ہوئے اس ماہنامے میں کچھ نئے کالم شروع کیے گئے ہیں، خاص طور پر صحت اطفال، جس کے تعلق سے مضامین کی مسلسل اشاعت جاری ہے۔ اس کے علاوہ 'سائنس نامہ' کا آغاز کیا گیا ہے تاکہ ہر شمارے میں سائنس کے متعلق مضامین کی شمولیت ہو سکے کیونکہ سائنس آج کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ 'معلومات عامہ' کے عنوان سے بھی ایک کالم کی شروعات کی جا رہی ہے تاکہ مختلف موضوعات کے تعلق سے بچوں کی معلومات میں نہ صرف اضافہ ہو بلکہ مقابلہ جاتی امتحانات میں بھی اس سے مدد مل سکے۔

پیارے بچو! 'بچوں کی دنیا' کی اشاعت کا مقصد صرف قاری نہیں بلکہ قلمکار پیدا کرنا ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس رسالے میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لیں اور اپنی تخلیقات بھی بھیجیں۔ آپ کی تخلیقات اس میں ترجیحی طور پر شائع کی جائیں گی۔ بس شرط یہ ہے کہ بات آپ کی اپنی ہو، نقل نہ ہو کیونکہ نقل سے بہت سے نقصانات ہوتے ہیں، اس لیے نقل سے بچنے کی ضرور کوشش کریں۔

آپ کا

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

ڈاک خانہ

مجھے رسالہ 'بچوں کی دنیا' پڑھنے میں بہت ہی مزہ آتا ہے۔ اس میں عظیم سائنس دانوں کی زندگی کے بارے میں کہانیاں شائع ہوتی رہتی ہیں اور ویسے بھی میرے ذریعے تصنیف کیے گئے علم فلکیات سے متعلق مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ یہ مضامین پڑھنے میں اور بھی زیادہ لطف آتا ہے۔ اکثر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ مضمون میں نے نہیں بلکہ میرے قلم نے لکھا ہے، لہٰذا اس مرتبہ میں نے رسالہ بچوں کی دنیا کے 'فلکیاتی ماہر چارلیس میزیئر کی کہانی ان کی زبانی' خاص طور پر لکھی ہے۔

انیس الحسن صدیقی، 679، سیکٹر 22B، گروگرام (ہریانہ)

اردو زبان کہنے کو تو ایک زبان ہے لیکن اس کے دامن میں علوم وفنون کے بیش بہا خزانے بھرے پڑے ہیں جو ایک بڑے سماج کو مہذب و تعلیم یافتہ بناتے ہیں۔ اردو جس سماج سے جڑی ہوئی ہے اس سماج اور اس میں رہنے بسنے والوں کی منفرد شناخت ہوتی ہے جسے سنجیدگی و شائستگی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جن خاندانوں میں اردو رچ بس گئی ہے ان کی نفاست و نزاکت اس سے وابستہ افراد کو سماج میں ایک منفرد مقام عطا کرتی ہے۔ اس خوبی و خوبصورتی کے باعث ایسے معاشرے و سماج کو اردو تہذیب کا نام بھی دیا گیا۔

قومی اردو کونسل ان اوصاف و نکات سے بحسن وخوبی واقف ہے۔ اسی لیے اس نے ان مقاصد کے حصول کے لیے ایک نہیں چار چار رسالوں کا اجرا کیا جو پابندیٔ وقت کے ساتھ شائع ہوتے ہیں۔ قومی اردو کونسل نے سماج کے سبھی طبقے کی ضرورت کا لحاظ کیا اور بچوں سے لے کر مرد و خواتین کے لیے معیار کے مطابق جرائد مہیا کیے۔ تنقید و تحقیق کی سہولت کے لیے 'فکر و تحقیق' بحیثیت مجموعی اردو کے تمام طبقوں کے لیے اردو دنیا' بالخصوص خواتین کے لیے 'خواتین دنیا' کا اہتمام کیا ہے جب کہ بچوں کے مستقبل، ان کی پرورش، تربیت، تعلیمی دلچسپی کے لیے 'بچوں کی دنیا' کا اجرا و اہتمام کیا۔

رسالہ 'بچوں کی دنیا' میرے بچوں کے لیے اور خود میرے لیے نہایت عمدہ رسالہ ہے۔ زبان سادہ و سلیس ہے۔ بچوں سے متعلق اور بچوں کی تخلیقات مع پینٹنگ جاذب دل ہوتی ہیں جن سے بچوں کی صلاحیت ولیاقت میں نکھار آتا ہے۔ جو بچوں کے مستقبل کے لیے نہایت کارآمد ہے۔ بچوں کی تہذیب و تربیت کے لیے نثری اور شعری تخلیقات ان کے اخلاق کی تزئین و آرائش کے لیے ایک مربی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کے ہر شمارے میں عصری مسائل پر عمدہ تحریریں بھی شائع ہوتی ہیں جو کبھی نثر تو کبھی نظم کے پیکر میں ہوتی ہیں۔ میرے بچے بڑی شدت سے ہر ماہ رسالہ 'بچوں کی دنیا' کا انتظار کرتے ہیں۔ اب تو اس رسالے کی توسیع شمال سے لے کر جنوب تک بڑے پیمانے پر ہوگئی ہے جو اس کی مقبولیت کی بڑی دلیل ہے۔ خدا کرے رسالہ 'بچوں کی دنیا' ہمہ آن ترقی کے منازل طے کرے ملک وملت کی مثبت تعمیر و تشکیل میں معاون ثابت ہو۔

فردوس بانو فلاحی، ایم 109، گل مرگ اپارٹمنٹ، ابوالفضل انکلیو، دہلی

آئس کریم کی ایجاد

سلمیٰ یوسف حسین

سلمیٰ یوسف حسین مشہور مصنفہ ہیں۔ فوڈ ہسٹورین کی حیثیت سے ان کی ایک الگ پہچان ہے۔ انھوں نے بچوں کے لیے بہت سی کتابیں لکھی ہیں، جن میں بچوں کے امیر خسرو، فرح دیبا ملکہ ایران، اچھے بچوں کے اچھے قصے قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے نیشنل بک ٹرسٹ کے لیے بچوں کی بہت سی کتابوں کے ترجمے بھی کیے ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو کے فارسی یونٹ سے بچوں کا پروگرام بھی پیش کرتی رہی ہیں۔ انھوں نے بہت سی فارسی کتابوں کے انگریزی میں ترجمے بھی کیے ہیں۔ انڈین فوڈ خاص طور پر مغلئی پکوان پر ان کی کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور انھیں قومی اور بین الاقوامی سطح کے ایوارڈ بھی مل چکے ہیں۔

بچو! آئس کریم آپ سب کو پسند ہے لیکن کبھی سوچا کہ آئس کریم کہاں سے آئی اور آپ تک کیسے پہنچی۔ آئس کریم کی ایجاد کے بارے میں مختلف کہانیاں ہمارے سامنے آئی ہیں۔

کہتے ہیں ایک ہزار سال پہلے چینی نظموں میں برف اور برف سے جما کر کھانے والی چیزوں کا ذکر ملتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عربوں کو آئس کریم بنانے کی ترکیب اٹلی کے ایک جزیرے سسلی سے ملی۔ اٹلی کے بادشاہ نہرو اپنے خدمت گاروں کو برف لانے کے لیے پہاڑوں پر بھیجا کرتے تھے۔ یہ برف پھلوں کے رس یا شہد میں ملا کر استعمال کی جاتی تھی۔

2500 سال پہلے ایران میں پھلوں کے رس کو پانی میں ملا کر جما دیا جاتا تھا اور پھر اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے پھلوں کے ساتھ کھائے جاتے تھے۔ آہستہ آہستہ روم اور یونان میں بھی برف کا یہ شربت عام ہونے لگا۔

تیرہویں صدی میں مارکو پولو چین گیا۔ وہاں شاہی دعوت میں اسے آئس کریم کھانے کا اتفاق ہوا جو اسے بے حد

پسند آئی لیکن باوجود کوشش کے وہ اس کا نسخہ (بنانے کی ترکیب) پانے میں ناکام رہا۔ کچھ عرصے کی بھاگ دوڑ کے بعد اس نے آئس کریم بنانے کی ترکیب حاصل کی اور آئس کریم بنا کر فرانس کے بادشاہ کے حضور میں پیش کی۔ بادشاہ نے آئس کریم کو شاہی تحفے کا نام دیا۔

17 ویں صدی میں آئس کریم انگلستان کی شاہی میز پر پیش کی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ 1660 تک آئس کریم عام لوگوں کو دستیاب نہیں تھی۔ صرف امیروں کے شوق پورا کرتی تھی۔

آہستہ آہستہ آئس کریم بنانے کی مشین ایجاد ہوئی اور پھر آئس کریم کا چلن عام ہوتا چلا گیا۔ آئس کریم پہلے بڑ آئس کہلاتی تھی۔ امریکہ نے اسے آئس کریم کا نام دیا۔ 1777 میں امریکا کے اخباروں میں پہلی مرتبہ آئس کریم کی خریداری کے اشتہار شائع ہوئے اور آئس کریم کا کاروبار شروع ہوا۔

اس طرح کی کئی مزے دار کہانیاں، آئس کریم کی ایجاد کے ساتھ جڑی ہیں جو دلچسپ اور معلوماتی ہیں۔

ہندوستان میں اکبر بادشاہ نے قلفی ایجاد کی، پرانی دلی میں قلفی اب بھی اسی پرانے انداز میں فروخت ہوتی ہے۔ اب تو زمانہ بہت آگے بڑھ گیا ہے اور آئس کریم بنانے کا روایتی انداز ختم ہوچکا ہے ورنہ پہلے آئس کریم ہاتھ سے چلانے والی مشین سے گھر گھر بنائی جاتی تھی۔

ہندوستان میں اکبر بادشاہ نے قلفی ایجاد کی، پرانی دلی میں قلفی اب بھی اسی پرانے انداز میں فروخت ہوتی ہے۔ اب تو زمانہ بہت آگے بڑھ گیا ہے اور آئس کریم بنانے کا روایتی انداز ختم ہو چکا ہے ورنہ پہلے آئس کریم ہاتھ سے چلانے والی مشین سے گھر گھر بنائی جاتی تھی۔

آپ آئس کریم کاغذ کے بنے کپ میں کھاتے ہیں۔ بانس کی تیلی پر جمی ہوئی آئس کریم کا چوس چوس کر مزا لیتے ہیں۔ یا پھر کون میں طے کر کھاتے ہیں۔ آیئے کون کا چلن کیسے شروع ہوا آپ کو بتاتے ہیں۔ یہ مزے دار قصہ ہے۔

کہتے ہیں ایک مرتبہ امریکہ میں آئس کریم کی دکان سے آئس کریم کھانے کی طشتریاں گم ہو گئیں۔ دکاندار پریشان ہوا مگر ہوشیار تھا۔ اس نے فوراً پڑوس میں بنی نانبائی کی دکان سے میٹھی روٹیاں منگوالیں۔ انھیں نوکدار بنایا اور آئس بھر کر گاہکوں کو خوش کیا۔ کہتے ہیں ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔

آئس کریم گرمیوں کی سوغات ہے لیکن سردیوں میں بھی اس کی خریداری عام ہے۔ بچے بوڑھے اور جواں سال سبھی آئس کریم شوق سے کھاتے ہیں۔ آئس کریم بنانے والی مختلف کمپنیاں اپنے دل لبھانے والے اشتہارات سے گراہکوں کے دل میں جگہ بناتی ہیں اور بچے فوراً بازار کی دوڑ لگاتے ہیں، جہاں قطار در قطار آئس کریم کے ٹھیلے ان کے منتظر ہیں یا پھر بڑی دکانوں میں شیشے کے پیچھے چھپے ان گنت ذائقے آپ کو للچاتے ہیں۔

یہ تھی آئس کریم کی کہانی۔ گرمیوں کا موسم شروع ہو چکا ہے آؤ بچو چلتے ہیں آئس کریم کا لطف اٹھائیں اور جی کو ٹھنڈک پہنچائیں۔

■

Salma Y Husain
E-52, G.F. Society, Sector- 54
Gurgaon - 122002 (Haryana)
Mob.: 9910143754

کام کرنا ہی کامیابی ہے

ہر کام کے دو نتیجے نکلتے ہیں: کامیابی اور ناکامی۔

جو بچے اسکول میں اپنا کام ذمے داری سے انجام دیتے ہیں، پڑھائی میں کوتاہی نہیں کرتے، وہ سالانہ امتحان میں امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کرتے ہیں اور جو کام سے جی چراتے ہیں، پڑھائی میں دلچسپی نہیں لیتے، ایسے بچے نتیجے کے دن روتے اور آنسوؤں سے منہ دھوتے ہیں۔

تاریخ کے صفحات میں جن ہستیوں کے نام سنہرے حرفوں میں لکھے گئے ہیں۔ قوم جن بزرگوں پر فخر کرتی ہے، ان کی بزرگی، ان کی نیک نامی سب ان کے کام کی وجہ سے ہے۔

انسان تو گوشت پوست کا ایک حقیر مجموعہ ہے جو مرنے کے بعد گل سڑ کر مٹی میں مل جاتا ہے، مگر انسان کے کارنامے اسے صدیوں تک زندہ رکھتے ہیں۔

جب انسان نے اس دنیا میں قدم رکھا تو یہاں تپتے ریگستانوں، خوفناک جنگلوں اور گرجتے سمندروں کے سوا کچھ نہیں تھا مگر انسان کی کوششوں نے اس ویران زمین کو نظام شمسی کا سب سے خوبصورت سیارہ بنا دیا۔

یہ عالیشان عمارتیں، لمبی چوڑی سڑکیں، سرسبز باغات، نہریں، پل، دریا سب انسانی کوششوں کا ہی کرشمہ ہے۔

یہ آسمان پر اڑنے والے ہوائی جہاز، سڑکوں پر دوڑتی موٹریں، برق رفتار ریلیں، سمندر کے سینے پر اٹھکیلیاں کرتے دیو پیکر بحری جہاز، ریڈیو، سنیما، ٹیلی ویژن، موبائل، کمپیوٹر اور اس قسم کی سیکڑوں چیزیں ہیں جنھیں ایجاد کرنے والے سائنسدانوں

سلام بن رزاق

سلام بن رزاق کا تعلق پنویل، مہاراشٹر سے ہے۔ وہ اردو کے ممتاز فکشن نگار ہیں۔ انھیں 2004 میں ساہتیہ اکادمی کا موقر ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔ بڑوں کے ساتھ ساتھ انھوں نے بچوں کے لیے بھی کہانیاں، مضامین اور ڈرامے لکھے ہیں۔ ننھے کھلاڑی (ناول)، مراٹھی لوک کہانیاں، بادل کی آپ بیتی، رابعہ بصری بچوں کے لیے لکھی گئی ان کی قابل ذکر کتابیں ہیں۔ اطفال کے لیے لکھی گئی کہانیوں کا ایک مجموعہ 'چاندی کی ڈبیا' زیر ترتیب ہے اور 'فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا' زیر طبع ہے۔ ان کی کئی تخلیقات نصاب میں بھی شامل ہیں۔ وہ بال بھارتی اردو کمیٹی پونے کے رکن بھی ہیں۔

نے دن رات محنت کی، مسلسل کام کیا، تلاش و جستجو میں اپنی زندگیاں وقف کردیں، تب کہیں جا کر یہ چیزیں عالمِ ظہور میں آسکیں۔ ان کی جدوجہد، ان کی قربانیاں اور کام کرنے کی بے پناہ لگن کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ یہ دنیا اس قدر حسین نظر آتی ہے۔

جو لوگ جدوجہد اور تلاش و عمل کو زندگی کا مقصد بنالیتے ہیں کامیابی ان کے قدم چومتی ہے اور غفلت کی نیند سونے والے کاہلوں کے ہاتھ ناکامی اور پچھتاوے کے سوا کچھ نہیں آتا۔

آپ نے کچھوے اور خرگوش کی وہ کہانی تو سنی ہوگی جس میں خرگوش یہ سوچ کر راستے میں سو جاتا ہے کہ ابھی منزل بہت دور ہے اور کچھوا متواتر چلتا رہتا ہے اور آخر اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال کہتے ہیں۔

جنبش ہے زندگی جہاں کی　　یہ رسم قدیم ہے یہاں کی
چلنے والے نکل گئے ہیں　　جو ٹھہرے ذرا کچل گئے ہیں

اتحاد میں طاقت ہے

آپ نے وہ مشہور کہانی سنی ہوگی جس میں ایک کسان سات پتلی لکڑیوں کو ایک ساتھ باندھ کر باری باری اپنے بیٹوں سے انھیں توڑنے کے لیے کہتا ہے۔ مگر کوئی بھی اس گٹھر کو توڑ نہیں پاتا۔ جب گٹھر کو کھول کر ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک لکڑی تھما دی جاتی ہے تو ساتوں چٹ چٹ اپنی اپنی لکڑیاں توڑ دیتے ہیں۔ تب کسان بیٹوں کو نصیحت کرتا ہے کہ دیکھو جب تک تم اتحاد اور محبت کی رسی سے بندھے رہو گے کوئی تمھارا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔ جس دن ان لکڑیوں کی طرح الگ الگ ہو کر منتشر ہو جاؤ گے، تباہی اور بربادی تمھارا مقدر بن جائے گی۔

یہ کہانی ہمیں بتاتی ہے کہ اتحاد زندگی کی علامت اور انتشار موت کی نشانی ہے۔ اتحاد، صرف ایک لفظ نہیں ایک قوت ہے۔ ایک ایسی قوت جس سے پربتوں کا سینہ چیرا جاسکتا ہے اور سمندروں کی طنابیں کھینچی جاسکتی ہیں پاتال کی گہرائیاں اور خلاؤں کے لامحدود فاصلے ناپے جاسکتے ہیں۔ اتحاد ایک اسم اعظم ہے جس کے فیض سے مشکل کو آسان اور ناممکن کو ممکن بنایا جاسکتا ہے۔ تاریخ عالم شاہد ہے کہ جن قوموں نے اتحاد و اتفاق کو اپنا نصب العین سمجھا کامیابی نے ان کے قدم چومے اور جو قوم انتشار کا شکار ہوئی ذلیل و خوار ہوئی۔

اس کارخانہ قدرت میں بھی ہمیں جگہ جگہ 'اتحاد' کے مظہر ملتے ہیں۔ دیکھیے قطرے سے قطرہ مل کر سمندر بنتا ہے۔ ذرہ ذرہ جڑتا ہے تو پربت وجود میں آتا ہے۔ ذرا اپنے ہاتھ کی انگلیوں پر غور کیجیے۔ کیسی نازک اور پتلی پتلی ہیں لیکن جب یہ پانچوں انگلیاں مل کر ایک مٹھی کی شکل اختیار کرلیتی ہیں تو ان میں کیسی طاقت آجاتی ہے۔ مٹھی سے مٹھی ملتی ہے تو طاقت کا سیلاب آجاتا ہے اور پھر کیا پربت اور کیا صحرا، کیا جنگل اور کیا دریا سب انسان کی عظمت کے آگے سرنگوں ہوجاتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ انسان کی مٹھی میں اس کائنات کے اسرار پوشیدہ ہیں۔

اس کارخانۂ قدرت میں بھی ہمیں جگہ جگہ 'اتحاد' کے مظہر ملتے ہیں۔ دیکھیے قطرے سے قطرہ مل کر سمندر بنتا ہے۔ ذرہ ذرہ جڑتا ہے تو پربت وجود میں آتا ہے۔ ذرا اپنے ہاتھ کی انگلیوں پر غور کیجیے۔ کیسی نازک اور پتلی پتلی ہیں لیکن جب یہ پانچوں انگلیاں مل کر ایک مٹھی کی شکل اختیار کرلیتی ہیں۔

ہماری زبان، ہماری تاریخ، ہمارا مذہب، ہمارا ادب

سب ہمیں اتحاد کا درس دیتے ہیں۔ ہم ابتدائے زمانہ سے ہی اتحاد کی جانب گامزن ہیں۔ انسان نے جب شعورر کی سرحد میں پہلا قدم رکھا تبھی اس نے جنگل کے درندوں سے بچنے اور فطرت کی آفتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے گروہ اور جماعت کی شکل میں رہنا شروع کر دیا۔ یہ اتحاد کی جانب اس کا پہلا اور فطری قدم تھا۔ پھر اس اتحاد کی برکت سے انسان نے گاؤں اور شہر بسائے۔ سلطنتیں قائم کیں، حکومتوں کی داغ بیل ڈالی اور تہذیبوں کے نقش ونگار بنائے۔ جن قوموں نے ترقی کے ہفت خواں طے کیے ہیں ان کی اصل خصوصیت یہی تھی کہ انھوں نے تاریخ کے ہر موڑ پر اتحاد کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھا۔ اتحاد کے بغیر ملک اور قوم کی ترقی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ خصوصاً ہندوستان جیسے عظیم ملک کے لیے جو مختلف تہذیبوں کا گہوارہ ہے، اتحاد بنیادی ضرورت ہے۔

مگر ہم یہ اس وقت کرسکتے ہیں جب ہم ہر قسم کے بھید بھاؤ کو بھول کر ایک قوم، ایک ملک اور ایک طاقت بن کر اٹھیں۔ اسی میں ہماری بقا ہے اور یہی وقت کا تقاضا ہے۔ وہ دیکھیے وقت ہمیں للکار رہا ہے۔

اگر ہمارے کانوں میں غفلت کا سیسہ نہیں پڑا ہے تو ہمیں وقت کی پکار کو سن لینا چاہیے۔ ہمارے قومی انتشار کا شیرازہ اب اتحاد کے مقناطیس سے ہی یکجا ہوسکتا ہے۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو
تمھاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

(علامہ اقبال)

■

Salam Bin Razzak
Sun Palm View' B/201
Above Suraj Hospital
Sanpada Sector 15
Navi Mumbai 400705
Mob:9967330204

بچوں کے قلم سے

'بچوں کی دنیا' بچوں کی ذہنی اور تحریری تربیت کا ایک بہترین پلیٹ فارم ہے۔ اس کی اشاعت کا مقصد صرف قاری نہیں قلمکار بھی پیدا کرنا ہے۔ بچے ابھی سے مشق کریں گے تو مستقبل میں بہتر قلمکار بن سکتے ہیں۔ اس لیے 'بچوں کی دنیا' میں ایک صفحہ بچوں کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔ غلط اور صحیح کی پرواہ کیے بغیر بچے رسالے میں چھپی تحریروں کے بارے میں اپنے تاثرات، اپنی پسند و ناپسند اور دیگر چیزیں اپنی رائٹنگ میں بھی بھیج سکتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ یہ کالم آپ کے مستقبل کو سنوار سکتا ہے!

—— ادارہ

نسرین سلطانہ سید جلال الدین

بچوں کی محلہ لائبریریاں

بچو! آپ نے بھارت کے پہلے 'کتاب گاؤں' کے بارے میں سنا ہوگا۔ جو مہاراشٹر کے مشہور ضلع ستارا کے ایک دیہات میں ہے جو اسٹرابیری کے لیے بھی مشہور ہے، اب یہ گاؤں اپنے ایک انوکھے کارنامے کی وجہ سے بھی مشہور ہوگیا ہے یعنی 'بھارت کا پہلا کتاب گاؤں' اس گاؤں کا نام ہے 'بھیلار'۔ (BHILAR)

ایک اور گاؤں جسے ملک کا دوسرا اور ریاست کیرالہ کا پہلا کتاب گاؤں ہونے کا فخر حاصل ہے۔ اس گاؤں کا نام ہے 'پیرم کلم' جہاں لوگوں نے اپنے گھروں کے باہر کتابیں کچھ اس انداز سے سجائی ہیں کہ ہر گھر ایک لائبریری معلوم ہوتا ہے۔ ان دونوں گاؤں میں لاکھوں کتابیں ہیں، یہاں کا بچہ بچہ کتابوں سے محبت کرتا ہے، جس طرح دوسرے بچے پیڑ پودوں کی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح یہاں کے بچے کتابوں سے محبت اور دوستی رکھتے ہیں۔

ہم آپ کو ایک اور ایسے گاؤں کے بارے میں بتاتے ہیں جو برطانیہ میں ہے۔ اس گاؤں کا نام 'ہے آن وئے Hay-on-wye' ہے جہاں کے ہر گھر کے باہر نہایت ہی سلیقے سے دیدہ زیب انداز میں کتابوں کی الماریاں رکھی گئی ہیں۔ یہ ایک آدمی کی محنت کا نتیجہ ہے۔

تو چلیے آج ہم آپ کو مہاراشٹر کے مشہور شہر اورنگ آباد کی ایک ایسی لڑکی مرزا مریم جمیلہ کا تعارف کراتے ہیں جس نے ایک تحریک شروع کی ہے گلی محلے کے بچوں کے لیے "محلہ محلہ لائبریری"۔ وہ کم عمر لڑکی جماعت ہشتم کی طالبہ ہے۔ ان کے والد نے جو کتابوں کا کاروبار کرتے ہیں 'بچوں کی دنیا' کی نکاسی میں عالمی ریکارڈ قائم کیا ہے۔ ان کے پاس 'بچوں کی دنیا' کی پوری فائل محفوظ ہے۔ اب جو انھوں نے لائبریریوں کے قیام کا بیڑا اٹھایا ہے تو نہ صرف ادب اطفال کی کتابیں اور بچوں کی دنیا بلکہ دیگر بچوں کے پرچے جیسے امنگ، گل بوٹے، اچھا ساتھی، جنت کے پھول، گلشن اطفال، پھول، روشن ستارے بھی بچوں کو پڑھنے کو ملیں گے۔ بچوں کے ان رسالوں کے توسط سے بچے قلمی دوستی سے واقف ہوں گے، رسائل سے متعارف ہوں گے اور زبان کی ترویج واشاعت کے نئے افق روشن ہوں گے۔

لاک ڈاؤن جیسے سنگین حالات میں اپنے اطراف کے حالات کو دیکھتے ہوئے اس نے یہ ارادہ کیا کہ اپنے محلّے کے بچوں کے لیے وہ ایک لائبریری قائم کرے گی تاکہ بچے اپنے وقت کا صحیح استعمال کرسکیں۔ ساتھ ہی وہ مستقبل کے قاری اور قلمکار بنیں کیونکہ یہی بچے آنے والے مستقبل کے معمار ہوں گے۔ مرزا مریم جمیلہ کے ذہن میں یہ تصور اور یہ جذبہ کہاں سے آیا ہوگا؟ یہ سوال سب کے ذہنوں میں پیدا ہو رہا ہوگا۔ دراصل یہ جذبہ مریم نے مطالعے سے حاصل کیا ہے کہ اسے کتب بینی کا بے حد شوق ہے۔

مریم جب بھی والد مرزا عبدالقیوم ندوی کی دکان پر جاتی ہیں تو ضرور ایک کتاب اپنے ساتھ لے آتی ہیں۔ اس طرح مریم کے پاس 150 کتابیں اب تک جمع ہوچکی تھیں۔ مریم کے شوق کو دیکھتے ہوئے اس کے والد نے 150 کتابیں اپنی دختر

کو14 نومبر کو یوم اطفال کے موقع پر تحفے میں دیں۔ مریم نے ان 300 کتابوں پر اپنی لائبریری کا آغاز 8 جنوری 2021 کو کیا۔ بچوں کے چہیتے سابق صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر اے۔ پی۔ جے عبدالکلام کے نام سے موسوم لائبریری کا افتتاح ڈاکٹر فوزیہ خان کے ذریعے عمل میں آیا۔

مرزا مریم نے اپنا یہ مشن صرف اپنے محلے کی لائبریری تک محدود نہیں رکھا بلکہ وہ اپنے شہر میں 50 لائبریریاں قائم کرنے کا عزم کرچکی ہیں۔ مریم کا نعرہ ہے کہ ''تم مجھے -/5000 روپے دو، میں تمھیں ایک لائبریری دوں گی۔'' مریم کے اس جذبے نے پورے محلے میں ایک امنگ پیدا کی۔ کم و بیش 87 بچوں نے لائبریری سے کتابیں لی تھیں جس کی تعداد 167 تک پہنچ گئی۔ اب تک جائزے سے یہ معلوم ہوا کہ ان بچوں نے دس دفعہ کتابیں تبدیل کیں اور کتابوں کو گھر لے جاکر اُن کا مطالعہ کیا۔ بچوں سے بات کرنے پر یہ بات بھی سامنے آئی کہ اُن کی والدہ، دادی اور دادا وغیرہ بھی اُنھیں کہانیاں پڑھ کر سناتے ہیں۔ ساتھ ہی مریم نے جو عزم کیا تھا کہ اُسے 50 لائبریریاں قائم کرنا ہے۔ وہ بھی یکے بعد دیگرے قائم ہوتی جارہی ہیں۔ یہ تمام لائبریریاں قومی شخصیات، سیاسی رہنماؤں اور ادبی خدمات انجام دینے والی قد آور شخصیتوں سے موسوم ہوں گی، جن کے کارناموں سے بچے واقف ہوسکیں گے۔ اس میں صرف اردو ہی کی معروف شخصیات نہیں بلکہ دیگر زبانوں کے دانشور بھی شامل ہیں۔ مریم کا یہ قدم کوئی معمولی کارنامہ نہیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مریم کی ذہن سازی میں دیگر کتب کے علاوہ 'بچوں کی دنیا' کا بڑا ہاتھ رہا ہے کہ مریم شروع سے ہی اس رسالے کی قاری رہی ہیں۔

مریم نے ان محلہ لائبریریوں کے قیام میں یہ مقصد بھی پیش نظر رکھا ہے کہ بچوں میں اوائل عمر ہی میں مطالعے کا ذوق پروان چڑھے۔ موبائل پر گیمس اور دیگر تفریحی apps میں عمر عزیز کے گھنٹوں ضائع کرنے کی بجائے بچوں کو اگر مطالعے کی صحیح سمت مل جائے تو بڑی حد تک یہ ان کے روشن مستقبل کی ضمانت ہوگی۔ یہ بات طے ہے کہ مطالعے کی عادت ذہن کے دریچوں کو کھولنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اگر بچپن ہی میں بچوں کو یہ عادت ہوجائے تو بلاشبہ مستقبل میں بھی وہ کتابیں خرید کر پڑھتے رہیں گے۔ زندگی کتاب سے جڑی رہے گی اور جن کی زندگی کتاب سے جڑی ہوتی ہے۔ ان کی سوچ، ان کی گفتگو اور زندگی کے تعلق سے ان کے رویوں کا نکھار ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ بہرحال مریم کے عزائم نیک ہیں۔ باجی پورہ گلی نمبر 20 میں مریم مرزا کی قائم کردہ لائبریری جس کا نام 'بھارت رتن ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام محلہ لائبریری' رکھا گیا ہے۔

مریم کا یہ کارنامہ ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ■

تحریک مریم مرزا کے تحت جاری محلہ لائبریریوں کے نام

- بھارت رتن ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام محلہ لائبریری، باجی پورہ۔
- مجاہد آزادی بیگم حضرت محل محلہ لائبریری، رحمانیہ کالونی، کراڑ پورہ۔
- عظیم مجاہد آزادی مولانا حسرت موہانی محلہ لائبریری، جہانگیر کالونی، ایکتا نگر۔
- 'پدم بھوشن' مولانا عبدالکریم پاریکھ محلہ لائبریری، روشن گیٹ۔
- بھارت رتن 'خان عبدالغفار خان (سرحدی گاندھی) محلہ لائبریری' ہرسول۔
- محسنِ اورنگ آباد ذوالفقار حسین محلہ لائبریری' عرب کھڑکی۔
- مراٹھی شاعر 'کسم اگراج محلہ لائبریری' رشیدہ اردو ہائی اسکول، مصرواڑی۔
- مراٹھی شاعر 'الہی جمعدار محلہ لائبریری' نارے گاؤں۔
- عظیم خاتون رضیہ سلطانہ محلہ لائبریری چشتیہ کالونی اورنگ آباد۔
- محمد وقار الدین محمد فہیم الدین (سابق فوجی) محلہ لائبریری بیری باغ۔
- سر مولوی رفیع الدین محلہ لائبریری (سابق وزیر تعلیم بمبئی)

Dr. Nasreen Sultana Syed Jalaluddin
H.No 3-10-10/1
Toti Ki Masjid
Manzoorpura
Aurangabad -431001(Maharashtra)

صبح اٹھنے کے فائدے

مومن فیاض احمد غلام مصطفیٰ

مومن فیاض احمد ایم اے (تاریخ، اردو)، بی ایس سی (کیمسٹری)، بی ایڈ، ڈپلوما ان ووکیشنل گائڈنس، ڈپلوما ان جرنلزم بہ حیثیت معلم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ برسوں سے علم ریاضی کی تدریس سے وابستہ ہیں۔ انھیں مثالی معلم کا ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔ کئی سماجی تنظیموں سے وابستگی ہے۔ مہاراشٹر اسٹیٹ میں دہم جماعت بھیونڈی یونٹ میں بطور کسٹوڈین ان کی خدمات جاری ہیں۔ بچوں کے لیے بھی اخبارات ورسائل میں لکھتے رہے ہیں۔

اگر ہم زندگی میں کچھ بڑا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں تو صبح جلدی اٹھنے کی عادت بنالیں۔ صبح اٹھنے میں جتنی طاقت ہے شاید ہم اس سے واقف نہیں ہیں۔ صبح اٹھنے میں اتنی طاقت ہے کہ یہ عام سے عام کو دنیا کا خاص انسان بنا سکتی ہے۔ سائنس کے مطابق اگر کسی انسان کو کچھ حاصل کرنا ہے تو ایسا کرنے کے لیے اسے پانچ چیزوں کی سخت ضرورت ہوتی ہے اوران میں سے ایک ہے صبح جلدی اٹھنا۔ صبح جلدی اٹھ کر آپ اپنے کام کو جلدی شروع کر سکتے ہیں اور اسے جلدی مکمل کر سکتے ہیں۔

ہماری قوم کا یہ المیہ ہے کہ رات میں دیر تک جاگنا اور صبح دیر تک سونا۔ رات میں دیر تک جاگ کر ہم کیا کرتے ہیں؟ ہوٹلوں، چوراہوں کو آباد کرتے ہیں، رات بھر ایک دوسرے کی چغل خوری اور غیبت کرتے ہیں، ایک دوسرے کی برائی کرتے

ہیں، نشہ آور اور ممنوعہ چیزوں کو کھاتے رہتے ہیں۔ رات بھر لاحاصل باتیں کرتے رہتے ہیں اور بہت ہی افسوس کی بات ہے کہ جب فجر کی اذان ہوتی ہے تو مسجد میں جانے کی بجائے گھر کا رخ کرتے ہیں اور صبح دیر تک سوتے رہتے ہیں۔ جب کہ ہر مذہب میں صبح جلدی اٹھنے کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ مذہب اسلام نے تو اس کا عملی نمونہ پیش کیا ہے فجر کی نماز کی صورت میں۔ لیکن بڑے ہی دکھ اور افسوس کی بات ہے کہ آج رات بھر مسلم محلے آباد نظر آتے ہیں جس کا اثر طلبہ پر بہت زیادہ پڑھ رہا ہے۔ طلبہ کی ایک بڑی تعداد اسکول دیر سے پہنچ رہی ہے۔ بغیر ناشتے کے اسکول میں آنے سے یہ بات بھی مشاہدے میں آ رہی ہے کہ اسکولوں میں دعا کا وقت جو بہ مشکل دس سے بارہ منٹ کا ہوتا ہے۔ اس میں اکثر کچھ طلبہ کمزوری کی وجہ سے غش کھا کر گر جاتے ہیں اور اس کے منفی نتائج بھی سامنے آ رہے ہیں۔ کچھ لوگ تو بڑی شان سے کہتے ہیں ہم تو رات کے راجہ ہیں انھیں شاید پتہ نہیں کہ وہ اپنی صحت کے ساتھ ساتھ معاشرے، قوم کا بڑا نقصان کر رہے ہیں۔

صبح جلدی اٹھ کر ہم اپنے کام کو جلدی سے شروع کر سکتے ہیں اور انہیں جلدی مکمل کر سکتے ہیں۔ہمارے پاس وقت بہت ہی کم ہے اور ہم اسے سونے میں ضائع کر رہے ہیں۔ہمارے پاس دو متبادل ہیں یا توزندگی کو سونا بنا لو یا پھر سوتے رہ جائو۔اگر ہم زندگی میں کامیا ب ہونا چاہتے ہیں ۔توپہلے اپنی صبح کو کامیاب بنانا ہے۔

صبح جلدی اٹھنے کے فائدے: دنیا میں جتنے بھی عظیم لوگ ہیں وہ صبح جلدی ہی اٹھتے ہیں۔ صبح جلدی اٹھ کر اپنی سوچ کو بدلیے اور جلدی اٹھنے کا بھرپور فائدہ اٹھائیے۔ ہم بچپن سے سنتے آئے ہیں کہ صبح جلدی اٹھنا چاہیے اور رات کو جلدی سونا چاہیے لیکن ہم ایسا کرتے نہیں ہیں کیونکہ ہمارے دماغ کو ایک برنگ ڈیزائر چاہیے۔ ایک وجہ چاہیے جلدی اٹھنے کے لیے یہ کسی بھی انسان کی زندگی کو بدل سکتا ہے۔ اگر آپ صبح جلدی اٹھنا شروع کر دیں۔ جو لوگ سو رہے ہیں ان سے موازنہ کریں تو ان لوگوں سے زیادہ وقت آپ کے پاس آ جاتا ہے۔ اگر آپ سوچ لیتے ہیں جلدی اٹھنا ہے اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں تو آپ خو دمحاسبہ کیجیے کہ اگر آپ نے طے کر لیا ہے کہ دو گھنٹے پہلے اٹھنا ہے تو ایک ماہ میں تیس یا اکتیس دن ہوتے ہیں اگر ان اکتیس دنوں کو دو سے ضرب کرتے ہیں 2 x31=62 یعنی پورے ماہ میں 60 سے 62 گھنٹے زیادہ مل جاتے ہیں۔ اگر یہ ساٹھ سے باسٹھ گھنٹے ہر ماہ زیادہ آ گئے تو سال بھر میں 730 گھنٹے ہوتے ہیں یعنی اس طرح سے پورے سال میں تقریباً ایک ماہ آپ کے پاس جمع ہو گیا۔ اس طرح سے لوگ سال میں بارہ ماہ کام کرتے ہیں لیکن آپ اپنے جلدی اٹھنے کی وجہ سے تیرہ ماہ کام کر سکتے ہیں۔ اس زائد وقت میں آپ کیا کیا کر سکتے ہیں؟ اس میں آپ اپنی پڑھائی کے تعلق سے، کریئر کے تعلق سے، صحت کے تعلق سے، Relaxation کے تعلق سے، بزنس کے تعلق سے بہتر منصوبہ بندی کر سکتے ہیں۔ بہر حال یہ آپ پر منحصر ہے کہ اس زائد وقت میں آپ کس کو ترجیح دیتے ہیں۔

صبح جلدی اٹھ کر ہم اپنے کام کو جلدی سے شروع کر سکتے ہیں اور انھیں جلدی مکمل کر سکتے ہیں۔ ہمارے پاس وقت بہت ہی کم ہے اور ہم اسے سونے میں ضائع کر رہے

ہیں۔ ہمارے پاس دو متبادل ہیں یا تو زندگی کو سونا بنالو یا پھر سوتے رہ جاؤ۔ اگر ہم زندگی میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں۔ تو پہلے اپنی صبح کو کامیاب بنانا ہے۔ زندگی میں کچھ بڑے وہی لوگ بنتے ہیں جو لوگ صبح جلدی اٹھتے ہیں۔ اور جو اپنی زندگی کو ضائع کرتے ہیں وہ صبح سوتے ہی رہ جاتے ہیں۔ اگر زندگی میں کچھ کرنا ہے تو خود کی فکر کریں، اپنے وقت کی فکر کریں، اپنے خواب کو اتنا بڑا کریں کہ ہمیں کسی بھی الارم کی ضرورت ہی نہیں پڑے۔ ان کے خواب، خواب ہی رہ جاتے ہیں جو صبح دیر سے اٹھتے ہیں، میدان وہی لوگ مارتے ہیں۔ جو اگتے سورج کو سلام کرتے ہیں ہمیں اپنے نصف کام کو اس قت تک مکمل کرلینا چاہیے۔

ماہرین کا خیال ہے کہ صبح کا وقت آپ جس طرح سے گزارتے ہیں آپ اپنا دن بھی اسی طرح سے گزاریں اور جیسا ہر دن گزارتے ہیں ویسے ہی پوری زندگی گزاریں آپ خود آزمالیجیے جو چیز صبح میں آپ کے دماغ میں چلتی ہے وہ دیر تک موجود رہتی ہے سوچیے کتنا اہم ہے صبح کا یہ وقت۔ تحقیق کے مطابق جو لوگ صبح جلدی اٹھتے ہیں ان لوگوں کا انداز، رویہ بہت مثبت ہوتا ہے۔ وہ بہت زیادہ پرسکون مزاج کے ہوتے ہیں۔ ان کا نظریہ بہت زیادہ مثبت ہوتا ہے۔ ہر مذہب میں صبح جلدی اٹھنے کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ اگر اس کو بہت اہمیت دی گئی ہے تو ضرور اس کے اندر کوئی نہ کوئی منطق ہے۔ اس وقت آپ کی معلومات زیادہ بڑھ جاتی ہے کیونکہ اس وقت آپ کو توجہ زیادہ ہوتی ہے۔ آپ کا دماغ زیادہ تازہ ہوتا ہے۔

دیر سے اٹھنے کے نقصانات: جو لوگ دیر سے سو کر اٹھتے ہیں تو ظاہری بات ہے کہ ان کے دن کی شروعات بھی دیر سے ہی ہے۔ ان کا دن دیر سے شروع ہو رہا ہوگا، لیکن شام تو اپنے مقررہ وقت پر مکمل ہو رہی ہے اور شام کے وقت زیادہ تر لوگ

اپنے کام سے گھر کی طرف آرہے ہوں گے۔ آس پاس کا ماحول بدل رہا ہوگا ہمیں بھی تھکاوٹ کا احساس ہو رہا ہوگا۔ ایسے وقت میں چست اور فعال ہو کر کام کرنا تھوڑا مشکل ہوتا ہے۔ دن ایسے لوگوں کے لیے کم پڑ جاتا ہے۔ ایک تو صبح اٹھ نہیں رہے ہیں۔ پروڈکٹیویٹی کا ویسے ہی نقصان ہو رہا ہے وقت ضائع ہو رہا ہے اس طرح سے وہ کریمنل بن جاتے ہیں گھبرایئے نہیں۔ وہ اپنے قیمتی وقت کا کریمنل کرتے ہیں۔ قارئین کرام ہم اور آپ تو بہت کچھ سیکھنے والے لوگ ہیں۔ ہم آگے بڑھنا چاہتے ہیں اس کے لیے بہت ضروری ہے کہ اپنے وقت کو زیادہ سے زیادہ کارآمد بنائیں تاکہ شام کو یہ نا محسوس ہو کہ صبح کام نہیں کیا، شام کو کام نہیں ہوا اور ہم اپنے وقت کو اپنی توانائی کو ضائع کردیا۔

رات دیر تک جاگنے کے نقصانات: اگر آپ رات میں دیر سے سوتے ہیں تو ظاہری بات ہے دیر سے ہی اٹھیں گے۔ دیر سے

سوئیں گے تو دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ساڑھے نو بجے جب بھی گھر والے کھانا کھا رہے ہوتے ہیں۔ان کے ساتھ تو کھانا کھاؤ گے جب کھانا پک رہا ہے تب کھانا کھاؤ گے۔اب کھانا آپ نے کھا لیا لیکن آپ جاگ رہے ہو۔دو بجے تک اب آپ جاگ رہے ہو تو ظاہری بات ہے بھوک تو لگے گی۔لگتی ہے، بھئی بھوک لگتی ہے تو فریج کھلتا ہے۔اس میں سے جنک فوڈ نکالتے ہو۔جو ویسے ہی آپ کی صحت کے لیے اچھے نہیں ہیں۔اور اس کو آپ اپنے پیٹ کے اندر ڈال لیتے ہو ایک تو باڈی سائیکل ٹھیک نہیں چل رہا ہیں اٹھنے سونے کا وقت صحیح نہیں چل رہا ہے۔اوپر سے کھانا پینا بھی اُلٹا کرتے جا رہے ہیں ہوگا کیا ؟ آپ کھاتے ہی سو جائیں گے وہ Natural ٹائم ہے ورزش تو کریں گے نہیں، ہضم تو ہوگا نہیں؟ وقت تو ملے گا نہیں اس کو؟ اور یہ صحت کو متاثر کر دے گا جس سے صحت خراب ہو جاتی ہے۔ پھر صبح اُٹھ کر گڑبڑ رہتی ہے۔ پھر شکایت رہتی ہے کہ پیٹ خراب ہوگیا ہے، قبض ہوگیا ہے۔ اگر ہم دیر تک جاگیں گے تو ہمارا باڈی کلاک شفٹ ہو جاتا ہے۔ اس کے حساب سے کئی طرح کے مسائل پیش آتے ہیں۔

اگر آپ صبح جلدی اٹھتے ہیں تو رات کو نیند جلدی آتی ہے جس کی وجہ سے بے کار میں جاگیں گے نہیں اور رات میں بے وقت کھائیں گے نہیں اس طرح صحت بھی اچھی رہے گی۔ بہت ساری تحقیقات ثابت کر چکی ہے کہ ہماری باڈی کلاک سن رائز ٹو سن سیٹ ہوتا ہے۔لیکن صبح کا وقت ایک ایسا وقت ہے جب زیادہ تر لوگ سوتے رہتے ہیں اس لیے کوئی رکاوٹ نہیں اور جو لوگ اُٹھتے بھی ہیں ان کے پاس اپنا مقصد ہوتا ہے۔اپنے مقصد کے لیے اٹھتے ہیں تو انہیں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی یہ رکاوٹ فری وقت ہوتا ہے اپنی توجہ کو مرکوز کرنے کا وقت ہے۔ یہ آپ کا اپنا بہت ہی قیمتی وقت ہے۔۔اس لیے صبح کا وقت زیادہ فائدے مند ہے۔صبح جلدی اٹھنے سے بلڈ شگر لیول بھی کنٹرول میں رہتا ہے۔ڈائبٹس کے مواقع بھی بہت کم رہتے ہیں۔ جن کو ڈائبٹیس وہ بھی کنٹرول میں رہتی ہے۔کئی طرح کے فائدے ہیں ہماری صحت کے لیے اس لیے صحت کو ہمیشہ ساتھ نبھانا ہے اور اچھی صحت آخر تک ساتھ لے جانا ہے اپنی زندگی کو بہتر کرنے دباؤ کم کرنے کے لیے یہ بہت ضروری ہے۔ اس لیے صبح جلدی اٹھیں اپنی صحت کو اپنی زندگی کو، اپنی نشو ونما کو بہتر کریں اپنے آپ کو خوشحال بنائیں بہت ساری خوشیاں بانٹیں اپنے وقت کو کارآمد بنائیں اگر ہماری یہ چھوٹی سی کوشش لوگوں پر اثر کرتی ہے تو ان کی زندگی میں بڑی نمایاں اور انقلابی تبدیلی آسکتی ہے۔

دنیا میں صرف تین فی صد لوگ صبح جلدی اٹھتے ہیں۔ جب کہ اگر کامیاب لوگوں کی بات کریں تو دنیا میں صرف تین فی صد لوگ ہی کامیاب ہو پاتے ہیں۔ایک سروے کے مطابق امریکہ میں تقریبا چھ سو چودہ کھرب پتی لوگ رہتے ہیں اور ان میں سے پانچ سو اکیاسی لوگ صبح پانچ بجے سے پہلے اٹھ جاتے ہیں۔ اگر دنیا بھر میں اوسط کامیاب انسان کی بات کریں تو وہ صبح چھ بجے سے پہلے اٹھ جاتے ہیں۔ ہر دن ایک نیا موقع ہے ہر دن ایک نیا قدم ہے اپنی منزل کی طرف بڑھنے کے لیے تب ہی کامیاب بنتے ہیں جن کی کامیابی صبح سے گزری ہو۔یاد رکھو دنیا میں لاکھوں لوگ پیدا ہوتے ہیں اور لاکھوں لوگ اس دنیا سے چلے جاتے ہیں۔مگر ان کا کچھ نام کچھ مقام نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ بھی ایسا ہی کرتے تھے کھاتے تھے، سوتے تھے اور بس بہانے بناتے تھے۔

■

Momin Fayyaz Ahmad Ghulam Mustafa
Samadiya High School & Junior College
Bhiwandi- 421302(Maharashtra)

عشرت جہاں

عید الفطر

خوشی ومسرت کا اظہار انسانی فطرت کا حصہ ہے۔اسی لیے مختلف قومیں اور ملتیں خاص مواقع پر اپنی مسرت وشادمانی کا اظہار کرتی رہی ہیں۔بعض اقوام کے یہاں مخصوص دنوں میں اجتماعی سطح پر خوشی کا اظہار کرنا، کھیلنا کودنا اور موج مستی کرنا قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے، ایسے مواقع کو 'تہوار' کا نام دیا جاتا ہے۔ چونکہ تہوار منانا یا کسی خاص دن اور موقع پر اجتماعی طور پر اظہار مسرت کرنا انسانی فطرت ہے، اس لیے اسلام نے اپنے ماننے والوں کے لیے اس کا خیال رکھا اور انھیں سال بھر میں دو مواقع ایسے عطا کیے جن میں وہ اجتماعی سطح پر اپنی خوشی کا اظہار کر سکتے ہیں، انھیں منا سکتے ہیں۔ یہ دو مواقع 'عید الفطر' اور 'عیدالاضحیٰ' ہیں۔ہجری کیلنڈر کے مطابق عیدالفطر رمضان المبارک گزرنے کے بعد شوال کی پہلی تاریخ کو واقع ہوتی ہے اور 'عیدالاضحیٰ' کا وقوع ماہ ذی الحجہ میں دس، گیارہ اور بارہ تاریخ کو ہوتا ہے۔ 'شوال' نظام قمری کا دسواں اور' ذی الحجہ' بارہواں مہینہ ہوتا ہے۔

عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی شروعات اس وقت ہوئی جب پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔وہاں پہنچ کر آپ کو معلوم ہوا کہ اہل مدینہ سال میں دو دن اجتماعی طور پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں، کھیلتے کودتے ہیں وغیرہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام جاہلیت کے ان مواقع کے برخلاف دو مواقع عیدالفطر اور عید الاضحیٰ منانے کا مژدہ سنایا۔ان دونوں عیدوں کو نہایت پاک صاف رکھا گیا اور ان میں ذخیرۂ آخرت جمع کرنے کا موقع بھی دیا گیا تاکہ اسلام کے ماننے والے ان دنوں میں خوشی بھی محسوس کریں اور نیکیاں بھی جمع کر سکیں۔ 'عیدین' کو منانے کے جو طریقے بتائے گئے ہیں، وہ اچھائیوں کی طرف لے جانے والے اور برائیوں سے روکنے والے ہیں۔در اصل اسلام کسی بھی صورت میں اس بات کی

اجازت نہیں دیتا کہ لوگ کسی بھی موقع پر اپنا آپا کھودیں یا برائیوں میں ملوث ہوجائیں، یہاں تک کہ عیدین کے موقع پر بھی وہ اپنے ماننے والوں کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ خوشی میں ناچنے گانے لگ جائیں یا شراب نوشی میں مشغول ہوجائیں یا کوئی آوارگی اختیار کریں۔ ان دونوں تہواروں کے تعلق سے جو احکامات صادر کیے گئے ہیں وہ سب نیکی اور اچھائی سے عبارت ہیں اور اسلامی تہذیب ومعاشرت کی عکاسی کرتے ہیں۔

'عیدالفطر' کے دن کا ایک بہترین عمل 'صدقہ فطر' ہے جس کی ادائیگی کا سلسلہ صبح سے ہی شروع ہوجاتا ہے۔ یہ فطرہ ہر اس شخص پر ادا کرنا واجب ہے جو صاحب نصاب ہے، وہ اپنی طرف سے اور اپنے بچوں کی طرف سے فطرہ ادا کرے گا۔ ایک فرد کا فطرہ کم سے کم پونے دو کلو گیہوں یا اس کے برابر رقم کی صورت میں ہوتا ہے جو غریبوں محتاجوں، فقیروں، ضرورت مندوں کو دیا جاتا ہے۔ فطرے کی ادائیگی میں ایک بڑی مصلحت یہ ہے کہ اس موقع پر غریب اور ضرورت مند افراد اجتماعی خوشی میں شامل ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ عام طور پر غربا اپنی معاشی بدحالی کی وجہ سے مسائل سے دوچار رہتے ہیں اور اس پوزیشن میں نہیں ہوتے کہ اتنی رقم خرچ کرسکیں جس سے ان کی ضروریات اچھے انداز میں پوری ہوجائیں۔ عیدالفطر انھیں یہ موقع فراہم کرتی ہے کہ وہ بھی نئے کپڑے سلوا سکتے ہیں، اچھا کھانا کھاسکتے ہیں اور ضرورت کی چیزیں اپنے اور اپنے بچوں کے لیے خرید کرلا سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کے پاس فطرے کی اچھی خاصی رقم جمع ہوجاتی ہے۔ اسی لیے فطرہ ادا کرنے والوں کو اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ وہ فطرہ نکالنے میں مستعدی سے کام لیں اور نماز دوگانہ سے پہلے فطرہ ادا کردیں۔ اسلام میں صدقہ نیکی اور ثواب کا کام ہے جو لوگ بھی صدقہ دیتے ہیں، وہ اللہ کے یہاں بڑے اجر کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ گویا کہ فطرہ ادا کرنے والوں کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے پاس نیکیاں جمع ہوجاتی ہیں، اور فطرہ لینے والے اجتماعی خوشی میں شامل ہوجاتے ہیں۔

'عیدالفطر' کے دن کا ایک بہترین عمل 'صدقہ فطر' ہے جس کی ادائیگی کا سلسلہ صبح سے ہی شروع ہوجاتا ہے۔ یہ فطرہ ہر اس شخص پر ادا کرنا واجب ہے جو صاحب نصاب ہے، وہ اپنی طرف سے اور اپنے بچوں کی طرف سے فطرہ ادا کرے گا۔ ایک فرد کا فطرہ کم سے کم پونے دو کلو گیہوں یا اس کے برابر رقم کی صورت میں ہوتا ہے۔

'عید الفطر' کا ایک عمل یہ ہے کہ اس میں دوگانہ نماز ادا کی جاتی ہے۔ یہ نماز اجتماعی شکل میں ہوتی ہے۔ شہر کی عیدگاہ میں اس نماز کو ادا کیا جاتا ہے، جگہ کی تنگی کی وجہ سے شہر کی بعض بڑی مسجدوں میں بھی اس کی ادائیگی کا اہتمام کیا جاسکتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ایک ساتھ مل کر نماز ادا کرسکیں۔ جب سیکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ ایک ساتھ دوگانہ نماز خوشی ومسرت کے عالم میں ادا کرتے ہیں، تو ایک روح افزا منظر سامنے ہوتا ہے۔ اس منظر کا لوگ سال بھر شدت سے انتظار کرتے ہیں کیونکہ اس طرح کے اجتماعی مواقع بار بار نہیں آتے۔ عام طور پر عیدگاہ میں جو لوگ جمع ہوتے ہیں، وہ نئے کپڑے پہن کر آتے ہیں۔ نئے لباس کی تیاری لوگ رمضان کے مہینے سے ہی شروع کردیتے ہیں۔ بعض تو اس سے بھی پہلے شعبان میں ہی رمضان کے لیے کپڑے سلوا لیتے ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جس

دن وہ ان کپڑوں کو پہنتے ہیں، اس دن انھیں کتنی خوشی ہوتی ہوگی۔ جوتے، ٹوپیاں، رومال جیسی چیزیں بھی خریدی جاتی ہیں۔ پھر خوشبو لگا کر عیدگاہ جاتے ہیں۔ عیدگاہ سے واپسی کے بعد گلے ملنے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ ملنا اخلاص سے پُر ہوتا ہے۔ دوست اور رشتے دار تو گلے ملتے ہی ہیں، لیکن اجنبی اور دشمن بھی اس دن آپس میں گلے ملتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ عید کے دن گلے ملنے کا عمل آپسی کدورتوں کو ختم کرتا ہے اور محبت میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔

اس دن رشتے دار اپنے رشتے داروں کے یہاں بھی جاتے ہیں اور آپس میں خوشیاں بانٹتے ہیں۔ اگرچہ قسم قسم کی مٹھائیاں اس دن تیار کی جاتی ہیں، لیکن زیادہ تر گھروں میں سوئیاں بنتی ہیں۔ سوئیاں کھا کر ایک عجیب سی خوشی کا احساس ہوتا ہے۔ بعض گھروں میں کھیر بھی بنائی جاتی ہے۔ یہ کھیر بھی بہت لذیذ ہوتی ہے۔ اس طرح پورا دن مٹھائیاں اور طرح طرح کی چیزیں کھانے میں گزرتا ہے۔ اسی لیے عید الفطر کو 'میٹھی عید' بھی کہا جاتا ہے۔

عید کا جوش وخروش عورتوں میں بھی خوب دکھائی دیتا ہے۔ وہ عید کے دن کے لیے اچھے اچھے لباس تیار کرتی ہیں اور خوشی خوشی پہنتی ہیں۔ تمام مرد اور عورتیں ہر جگہ خوشنما لباس میں بہت اچھے لگتے ہیں۔ مائیں اپنے بچوں کو تیار کرنے میں پوری طرح منہمک دکھائی دیتی ہیں۔ وہ انھیں نئے کپڑے پہناتی ہیں، سر میں تیل ڈالتی ہیں، سرمہ اور خوشبو لگاتی ہیں، بچے تو اچھے ہوتے ہی ہیں، لیکن عید کے دن وہ اور زیادہ اچھے لگتے ہیں۔ عید کے دن بچوں کی خوشی دور سے ہی نظر آتی ہے، ان کے ہاتھوں میں کھلونے ہوتے ہیں، غبارے ہوتے ہیں، اور وہ ادھر ادھر دوڑتے پھرتے ہیں۔ بچوں کی بے انتہا خوشی کو دیکھ کر ہی کہا جاتا ہے کہ "اصل عید تو بچوں کی ہوتی ہے۔"

عید کے حوالے سے یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ اسے عام تہواروں کی طرح نہ سمجھا جائے۔ عام طور پر دوسرے تہواروں کو لوگ اس طرح مناتے ہیں کہ اچھائی اور برائی کے درمیان فرق نہیں کر پاتے، ان میں ناچ گانا، شراب نوشی اور بے حیائی عام ہوتی ہے۔ مگر عید کے موقع پر اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ عید کو خوشی کے ساتھ منایا جائے مگر اسلام کی

روح کہیں مجروح نہ ہو پائے۔ کہیں بے حیائی کا مظاہرہ نہ ہو، کہیں برائیوں کا ارتکاب نہ ہو۔ اسلام ایک سادہ مذہب ہے، ہر چیز میں سادگی کو پسند کرتا ہے۔ اس لیے عید اس طرح منائی جائے کہ سادگی باقی رہے۔ یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ عید رمضان کے روزوں کے بعد آتی ہے۔ اس لیے رمضان کے مہینے کی پاکیزگی اور تقوی کو رمضان کے بعد بھی جاری رکھا جائے۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عید کے موقع پر فضول خرچی سے اجتناب کیا جائے۔ بے شک ضروری اشیا خریدنے میں کوئی قباحت نہیں ہے، لیکن بعض لوگ ضرورت سے زیادہ اس موقع پر خرچ کرتے ہیں۔ مہنگے ملبوسات، مہنگی اشیا خریدتے ہیں اور خوب خریدتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ اس موقع پر فضولیات سے گریز کیا جائے اور ضرورت مندوں پر توجہ دی جائے۔ جو لوگ غریب ہیں کہ کپڑے نہیں بنا سکتے، اپنی استطاعت کے مطابق انھیں کپڑے دلوائے جائیں، اسی طرح دوسری ضروری اشیا بھی خرید کر انھیں دی جائیں تاکہ وہ بھی اسی طرح عید کی خوشی منا سکیں جس طرح دوسرے لوگ مناتے ہیں۔

عید کے پیغامات میں ایک اہم پیغام محبت کو عام کرنا اور اتحاد کو فروغ دینا ہے۔ اس لیے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عید منانے والوں کو چاہیے کہ وہ باہم میل جول اور محبت کا جو مظاہرہ عید کے موقع پر کرتے ہیں، اسے آگے بھی برقرار رکھیں۔ تاکہ اختلافات ختم ہوں اور پوری امت کے درمیان یکجہتی اور محبت قائم ہو۔ عیدالفطر نہ صرف مسلمانوں سے بلکہ تمام انسانوں سے محبت کا سبق سکھاتی ہے اور ہر ایک کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کی دعوت دیتی ہے۔

■

Ishrat Jahan
Mohalla Tandola Tanda Rampur,
U.P, Pin:244925

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں 'بچوں کی دنیا' کا رکن سالانہ خریدار بننا چاہتا / چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/ منی آرڈر.................... تاریخ ....

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرتعاون سالانہ -/100 روپے IFSC: SYNB0009009، A/C: 90092010045326 میں جمع کروا دیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159, E-mail,:sales@ncpul.in

دستخط

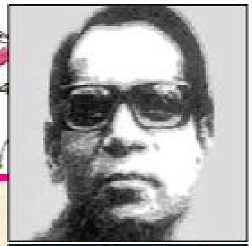

کرشن کمار

مری ماں

جو سیدھا جائے وہ رستہ مری ماں
محبت کا ہے سر چشمہ مری ماں
اسے پڑھنا ہے لاکھوں بار مجھ کو
ہے دل کا ایک بس ہندسہ مری ماں
لہو سی موجزن میری رگوں میں
مری آنکھوں کا ہے سرمہ مری ماں
اسے تکتا ہوں مستقبل کی خاطر
مرے چہرے کو آئینہ مری ماں
سفر اس سے ہے تکمیل پاتا
سنہرے خواب کا جادہ مری ماں
اذاں مسجد سے جیسے دے رہی ہو
ازل میں ہے ابد لمحہ مری ماں
مجھے اس سے ہی گویائی ملی ہے
ہے حرف و صوت کا بستہ مری ماں
ہے میری خواہشوں کا رابطہ اس سے
مری مدحت مری دنیا مری ماں
بظاہر چپ سی رہتی ہے بہت طور
ہے گویائی کا اک رشتہ مری ماں

کرشن کمار طور

Krishan Kumar Toor
134/E, Khanyara Road
Dharamshala-176215 (Himachal Pradesh)
Mob.: 9816020854

ماں شجر تُو سایہ دار...

ماں شجر تُو سایہ دار
غم میں تُو ہے صبر و قرار

چلچلاتی دھوپ میں ہے
چاندنی اور ابرِ بہار...

تپتپاتے راستوں پہ
تیری باتیں آبشار...

اس جہاں میں تو ہے جنت
اور جنت کا تُو ہے دُوار...

تیرے آنچل میں ہے سکوں
تیری لوری میں ہے خمار...

آفت اور بلا سے حفاظت
ماں کی بانہوں کا حصار...

ساری خوشیاں شمع کی
تیرے قدموں میں ہوں نثار...

■

Naima Imtiyaz 'Shama'
39, R.N.A Sapphire
Flate No.: 902, 9th Floor
Azad Nagar, Veera Desai Road
Andheri (W) Mumbai - 400053
Mob.: 9821256556

نعیمہ امتیاز 'شمع'

نعیمہ امتیاز شمع ایک معروف آرٹسٹ ہیں۔ ان کا تعلق ممبئی سے ہے۔ انھوں نے انجمن اسلام گرلس ہائی اسکول سے ایس ایس سی کا کورس کیا۔ انھوں نے ممبئی کے جے جے اسکول آف آرٹس سے مصوری کی تعلیم حاصل کی اور بہت سی پینٹنگس بھی بنائی ہیں جن کی مختلف جگہوں پہ نمائش بھی ہوئی۔ ان کی بنائی ہوئی پینٹنگز میں اردو اشعار کو لوگوں نے بہت پسند کیا ہے۔ بچوں کے لیے مختلف رسائل و جرائد میں لکھتی رہی ہیں۔

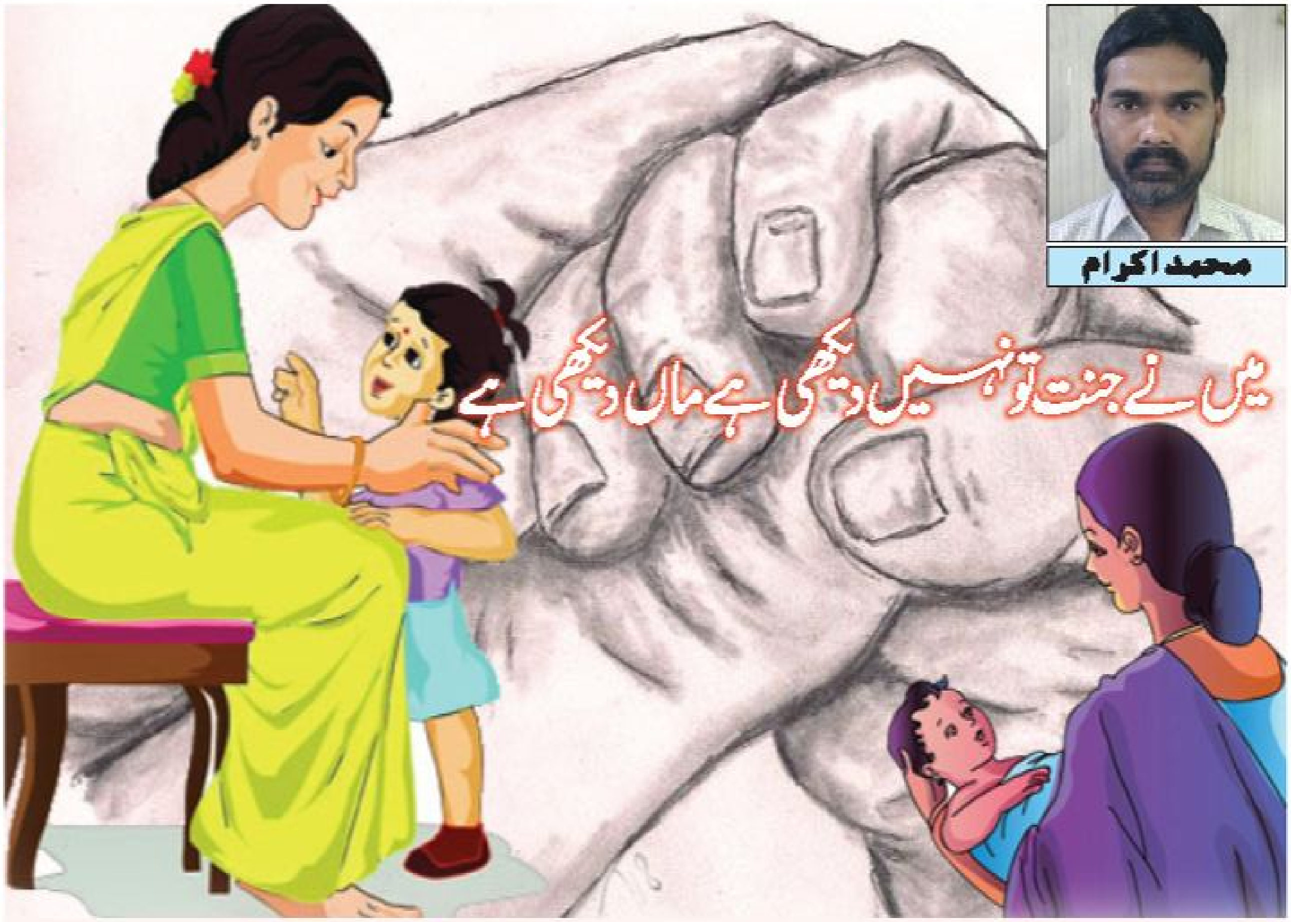

محمد اکرام

میں نے جنت تو نہیں دیکھی ہے ماں دیکھی ہے

- ماں ایک نور ہے جس کی روشنی سے ساری تاریکیاں دور ہوجاتی ہیں۔
- ماں ایک جگنو ہے جس کی چمک سے کائنات منور ہوجاتی ہے۔
- ماں ایک پھول ہے جو رہتی دنیا تک ساری کائنات کو مہکاتی رہے گی۔
- ماں ایک گیت ہے جسے بچہ گنگناتا رہتا ہے۔
- ماں قدرت کا ایک ایسا عطیہ ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔
- ماں ایک آہٹ ہے جس کے احساس سے ہی بچے کا چہرہ کھل اٹھتا ہے۔
- ماں ایک دعا ہے جس کی برکت مشکل راستوں کو بھی روشن کردیتی ہے۔

الغرض کہ ماں وہ مقدس ہستی ہے جو زندگی کے تمام دکھوں کو اپنے آنچل میں چھپالیتی ہے۔ اپنی پوری زندگی بچوں کی خوشیوں کے لیے قربان کردیتی ہے۔ ماں کو اپنے بچوں سے اس قدر پیار ہوتا ہے کہ ان کی خاطر وہ پوری دنیا سے لڑنے پر آمادہ ہوجاتی ہے۔ ماں کی دعا کا ہی ثمرہ تھا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی نے ڈاکوؤں سے نجات پائی۔

دنیا میں کسی بھی مذہب اور زبان سے تعلق رکھنے والا ماں کی عظمت کا منکر نہیں ہوسکتا۔ ہمارے ملک میں تو ماں کو تقدس اور وفا کی دیوی کہا جاتا ہے۔ اسی لیے 9 مئی کو ماں کی عظمت اور عطوفت کو خراج پیش کرنے کے یوم مادر کے طور پر منایا جاتا ہے۔ عالمی طور پر یوم مادر کی کوئی ایک متعین تاریخ نہیں ہے، پھر بھی یہ دن الگ الگ ملکوں میں الگ الگ تاریخوں میں منایا جاتا ہے۔ کچھ ممالک میں مئی کے دوسرے اتوار کو تو کچھ

ایسے ممالک ہیں جہاں کے لوگ یوم مادر جنوری، مارچ، اکتوبر یا نومبر کے مہینے میں مناتے ہیں۔

ایک روایت کے مطابق قدیم یونان سے یونانی دیوتاؤں کی ماں کے اعزاز میں یوم مادر منانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مدرڈے کا آغاز ایک امریکی کارکن انا جاریوس سے ہوتا ہے۔ انا جاریوس کو اپنی ماں سے بے انتہا پیار تھا۔ جاریوس اپنی والدہ کے ساتھ رہتی تھی اور اس نے کبھی شادی نہیں کی۔ ماں کے انتقال کے بعد، انا جاریوس نے ماں سے اپنی بے پناہ محبت کا اظہار کرنے کے لیے مدرز ڈے کا آغاز کیا۔ تب سے ہر سال مئی کے دوسرے اتوار کو مدرز ڈے منایا جاتا ہے۔

مختلف ممالک اور اقوام کے پاس یوم مادر منانے کے اپنے اپنے طریقے ہیں۔ کچھ ممالک میں اگر یوم مادر کے موقع پر ماں کی عزت نہیں کی جاتی تو یہ جرم سمجھا جاتا ہے۔ کچھ ممالک میں اسے یہ ایک چھوٹے سے مشہور تہوار کی حیثیت حاصل ہے۔

ماں کا تقدس، عظمت اور فضیلت کا ذکر دنیا کی بیشتر زبانوں میں موجود ہے اور تمام زبانوں کے عالموں، فاضلوں، فلسفیوں اور شاعروں نے اپنے اپنے انداز میں ماں کو خراج محبت پیش کیا ہے۔ اردو میں بھی ماں کی عظمت اور اس کے بلند درجات پر نثر اور نظم دونوں اصناف میں بیش بہا سرمایہ موجود ہے۔ ماں پر کہی گئی غزلوں کے ذریعے جن شعرا نے اپنی الگ پہچان بنائی، ان میں منور رانا، افتخار عارف، قیصر الجعفری، عباس تابش، سراج فیصل خان، تنویر سپرا، نظیر باقری، انجم سلیمی، سبط علی صبا، احمد سلمان، محمد علی ساحل، اسلم کولسری، عرفان صدیقی، اجمل اجملی، سید ضمیر جعفری، نواز دیوبندی، محفوظ الرحمٰن عادل، سرفراز نواز، اظہر فراغ، فاطمہ حسن، حمیرا رحمان، انجم خلیق، اقبال اشہر، راشد اعظمی، یوسف رامپوری وغیرہ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ اردو کے یہ چند اشعار دیکھیں جن میں ماں مقدس رنگ وروپ اور پیکر میں نظر آئے گی۔

چلتی پھرتی ہوئی آنکھوں سے اذاں دیکھی ہے
میں نے جنت تو نہیں دیکھی ہے ماں دیکھی ہے
اس طرح میرے گناہوں کو وہ دھو دیتی ہے
ماں بہت غصے میں ہوتی ہے تو رو دیتی ہے
(منور رانا)

ایک مدت سے مری ماں نہیں سوئی تابش
میں نے اک بار کہا تھا مجھے ڈر لگتا ہے
(عباس تابش)

کتابوں سے نکل کر تتلیاں غزلیں سناتی ہیں
ٹفن رکھتی ہے میری ماں تو بستہ مسکراتا ہے
(سراج فیصل خان)

اے رات مجھے ماں کی طرح گود میں لے لے
دن بھر کی مشقت سے بدن ٹوٹ رہا ہے
(تنویر سپرا)

دور رہتی ہیں سدا ان سے بلائیں ساحل
اپنے ماں باپ کی جو روز دعا لیتے ہیں
(محمد علی ساحل)

جنت کی کنجی ہے میری مٹھی میں
اپنی ماں کے پیر دباتا رہتا ہوں
(نواز دیوبندی)

مدتوں بعد میسر ہوا ماں کا آنچل
مدتوں بعد ہمیں نیند سہانی آئی
(اقبال اشہر)

باپ کا ورثہ ہوا تقسیم بیٹوں میں مگر
ایک بوڑھی ماں کسی کے حصے میں آئی نہیں
(راشد اعظمی)

چاہیے گر سکون اے یوسف
ماں کے قدموں میں اپنا سر رکھیے
(یوسف رامپوری)

ماں کے تعلق سے شاعر مشرق علامہ اقبال کی نظم 'والدہ مرحومہ کی یاد میں' کون بھول سکتا ہے۔ علامہ اقبال کے علاوہ سیکڑوں شاعروں نے ماں پر نظمیں لکھی ہیں، اس وقت میرے ذہن میں جو نام گردش کر رہے ہیں ان میں علی سردار جعفری، افسر میرٹھی، پیام اعظمی، رضا سرسوی، پروفیسر قمر رئیس، ندا فاضلی، کرشن کمار طور، پروین شیر، کوثر مظہری، خالد بن سہیل، عبدالرشید اعظمی، حقانی القاسمی، وفا اعظمی، نعیمہ امتیاز 'شمع' وغیرہ نے بہترین نظمیں لکھی ہیں۔ مشہور شاعر ندا فاضلی نے ماں کے حوالے سے ایک بے حد جذباتی اور حقیقت پر مبنی نظم لکھی تھی، پیش ہے وہ نظم۔

بیسن کی سوندھی روٹی پر کھٹی چٹنی جیسی ماں
یاد آتی ہے! چوکا باسن چمٹا پھکنی جیسی ماں
بانس کی کھری کھاٹ کے اوپر ہر آہٹ پر کان دھرے
آدھی سوئی آدھی جاگی تھکی دوپہری جیسی ماں
چڑیوں کی چہکار میں گونجے رادھا موہن علی علی
مرغے کی آواز سے بجتی گھر کی کنڈی جیسی ماں
بیوی بیٹی بہن پڑوسن تھوڑی تھوڑی سی سب میں
دن بھر اک رسی کے اوپر چلتی نٹنی جیسی ماں
بانٹ کے اپنا چہرہ ماتھا آنکھیں جانے کہاں گئی
پھٹے پرانے اک البم میں چنچل لڑکی جیسی ماں

ہماری شناخت، ہمارا وجود ماں سے وابستہ ہے۔ ماں کو یاد کرنے کا کوئی ایک خاص دن معین نہیں ہے۔ سال کے بارہ مہینے اور 365 دن سب کے سب ماں سے ہی منسوب ہیں کیونکہ ماں کے بغیر ہر دن کا وجود بے معنی ہے!

کچھ شاعروں نے گیت بھی لکھے ہیں، جن میں آرزو لکھنوی، ندا فاضلی، طاہر فراز وغیرہ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ طاہر فراز کا ایک گیت 'مائی' بہت مشہور ہوا تھا:

عنبر کی یہ اونچائی دھرتی کی یہ گہرائی، تیرے من میں ہے سمائی
مائی، او مائی!
تیرا من امرت کا پیالہ، یہی کعبہ یہی شوالہ، تیری ماتا جیون دائی
مائی، او مائی!

شاعری کے علاوہ نثر میں بھی ماں کی محبت اور عظمت کے حوالے سے بہت سے شاہکار پیش کیے گئے ہیں۔ اس ضمن میں سلمیٰ کنول، بختیار ثاقب، قدرت اللہ شہاب، حکیم محمد طارق محمود، محمد حنیف عبدالمجید، حقانی القاسمی، غلام حسن قادری، عاصمہ حسن، نگہت ہاشمی، عبدالرشید طلحہ نعمانی، سید جلیل ازہر، حافظ محمد ہاشم صدیقی مصباحی، نایاب حسن، محمد محبوب وغیرہ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ حقانی القاسمی نے اپنی کتاب 'ادب کولاژ' میں 'ماں — تحرک اور توانائی کا جمالیاتی استعارہ' کے نام سے ایک مضمون تحریر کیا ہے جس میں انھوں نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ آج کائنات میں جو نور اور روشنی ہے وہ ماں کی بدولت ہے۔ کائنات میں اگر 'ماں' کا وجود نہ ہوتا تو شاید یہ کائنات بے نور ہوتی۔ اس تعلق سے یہ اقتباس ضرور پڑھیں:

''دنیا کی سب سے خوبصورت نظم 'ماں' ہے۔
ماں ہی جمالیات کی معراج ہے اور سرچشمہ بھی۔
جمالیات کی ساری کرنیں، شعاعیں، لہریں ماں سے

ہی منسوب ہیں۔ زندگی اور کائنات کی ساری کیفیتیں ماں کے وجود سے ہی ہیں۔ ماں نہ ہو تو زندگی بے رس، بے رنگ اور بے کیف ہو جاتی ہے اور یہی ایک ایسا وجودی عنصر ہے جس سے انسانی کائنات میں رنگ، نور اور روشنی ہے۔" (ادب کولاژ: حقانی القاسمی، عرشیہ پبلی کیشنز، نئی دہلی، 2014، ص198)

ماں کو عربی زبان میں 'اُم' کہتے ہیں۔ یہ لفظ قرآن مجید میں 84 جگہوں پر آیا ہے، اسی 'اُم' کی جمع 'امہات' ہے، جس کا ذکر قرآن مجید میں گیارہ مرتبہ آیا ہے۔ دیگر زبانوں میں ماں کو اماں، امی، ممی، مما، ماما، مادر، ماتا، مائی وغیرہ سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

بچہ جب بولنے کی عمر کو پہنچتا ہے تو سب سے پہلے اس کی زبان پر لفظ 'ماں' ہی ہوتا ہے گویا ماں کی گود بچے کی تعلیم کا پہلا مکتب ہے جو اسے چلنے پھرنے سے لے کر تعلیم و تربیت تک میں اپنا مثبت کردار نبھاتی ہے۔

قرآن و حدیث میں بھی ماں کی بہت عظمت بیان کی گئی ہے۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ "ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے" آپؐ نے ماں کے درجے کو اس قدر اعلیٰ مقام کا حامل بتایا ہے کہ ماں کی اطاعت و فرماں برداری سے جنت کے راستے آسان ہو جاتے ہیں۔

والدین کی عظمت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ خالق کائنات نے اپنی عبادت کے ساتھ والدین کے ساتھ حسن سلوک اور خدمت کا حکم دیا ہے۔ حدیثوں سے بھی ماں کی فضیلت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے:

1. ایک آدمی رسول خدا کے پاس آیا اور عرض کیا کہ ماں باپ میں سے کون زیادہ حقدار ہے جس کے ساتھ میں نیک سلوک کروں؟ تو آپ نے فرمایا: تمھاری ماں۔ اس نے دوبارہ پوچھا کہ ماں کے بعد؟ تو آپؐ نے جواب دیا تمھاری ماں۔ اس نے پھر پوچھا اس کے بعد؟ پھر بھی آپؐ نے جواب دیا کہ تمھاری ماں۔ اس نے وہی سوال پھر دوہرایا تو آپؐ نے فرمایا تمھارا باپ۔ (بخاری، مسلم)

حدیثیں اور بھی ہیں لیکن یہاں ان کی گنجائش نہیں۔ ان حدیثوں میں ماں کی عظمت، اہمیت، معنویت اور قدر و منزلت بیان کی گئی ہے، لیکن آج کے دور میں بچے قرآن و حدیث کی ہدایات اور احکامات سے روگردانی کر رہے ہیں اسی لیے آئے دن اخبارات میں ایسی وحشت ناک خبروں پر نظر پڑتی ہے کہ پورے وجود پر ایک وحشت سی طاری ہو جاتی ہے اور یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ مادّیت کے اس دور میں ماں کی کوئی قدر و قیمت اور اہمیت نہیں رہ گئی ہے۔ حال یہ ہے کہ والدین جب بڑھاپے کی منزل میں ہوتے ہیں تو بیٹے اپنے والدین کو آشرم میں چھوڑ آتے ہیں یا ایسی جگہ بھیج دیتے ہیں جہاں ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ وہاں ان کی زندگی بڑی تکلیف میں گزرتی ہے۔ بوڑھے ماں باپ کی آنکھیں اپنے پیارے بچوں کے انتظار میں تھک جاتی ہیں مگر یہ لاڈلے اپنے ماں باپ کی خیریت تک پوچھنے کے لیے بھی روادار نہیں ہوتے، یہ ہمارے ماڈرن اور ترقی یافتہ سماج کا بہت بڑا المیہ ہے!

پیارے بچو! ہمیں یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ ہماری شناخت، ہمارا وجود ماں سے وابستہ ہے۔ ماں کو یاد کرنے کا کوئی ایک خاص دن متعین نہیں ہے۔ سال کے بارہ مہینے اور 365 دن سب کے سب ماں سے ہی منسوب ہیں کیونکہ ماں کے بغیر ہر دن کا وجود بے معنی ہے!

■

Mohd Ikram
Mob.: 9873818237
Email.: mdikram2011@gmail.com

نظمیں

عبدالمنان طرزی

پروفیسر عبدالمنان طرزی اردو کے معروف شاعر اور ادیب ہیں۔ طرزی صاحب کو تقریباً ساٹھ ہزار اشعار اردو اور فارسی میں کہنے کا شرف حاصل ہے۔ انھوں نے جہاں بڑوں کے لیے 'سیرۃ الرسول' (منظوم)، 'آہنگ غزل'، 'رفتگاں وقت ہماں'، 'ناز برداران اردو'، 'دیدہ وران بہار' جیسی کتابیں لکھی ہیں وہیں بچوں کے لیے ان کی دو کتابیں 'پیاری پیاری نظمیں' اور 'میٹھی میٹھی نظمیں' ہیں۔ انھیں مختلف اعزازات اور انعامات مل چکے ہیں جن میں صدر جمہوریہ ایوارڈ برائے فارسی خدمات (2012) قابل ذکر ہے۔

آندھی

آندھی جب بھی آتی ہے
رنج و غم وہ لاتی ہے

گر جاتے ہیں کتنے گھر
زور ایسا دکھلاتی ہے

کشتی کو بھی دیتی ڈبو
رحم نہیں کچھ کھاتی ہے

لوٹے زمیں پر جیسے وہ
کوئی قیامت ڈھاتی ہے

دیتی ہے یہ چھت کو اُڑا
کتنے پیڑ گراتی ہے

اس کے آنے سے اکثر
مایوسی چھا جاتی ہے

کٹ جاتے ہیں پاور بھی
تاریکی بڑھ جاتی ہے

لوگ پریشاں ہوتے ہیں
دل کتنا یہ دہلاتی ہے

مُفلِس

گاؤں کے اک کنارے
مفلس بھی کچھ ہیں رہتے

گھر بھی نہیں ہے جن کا
کپڑے، پھٹے، پُرانے

آنکھیں دھنسی ہوئی ہیں
چہرے ہیں اُن کے، پیلے

رہ جاتے بھوکے اکثر
مزدوریوں پہ جیتے

بستر، نہ کوئی چادر
فرشِ زمیں پہ سوتے

میری دعا ہے یارب
خوش حال اِن کو کردے

خوشیوں پہ حق ہو اِن کا
ارماں ہوں اِن کے پورے

Abdul Mannan Tarzi
Mohalla: Faizullah Khan
Darbhanga - 846004
Mob.: 9431085811

ون ون، ٹو ٹو...

شاہد جمیل

شاہد جمیل اردو کے معروف شاعر اور ناقد ہیں۔ انھوں نے شاعری بھی کی ہے، تنقیدی مضامین بھی لکھے ہیں، خاص طور پر انھوں نے بچوں کے لیے سو سے زائد نظمیں لکھی ہیں جو غنچہ (بجنور)، نور (رامپور)، مسرت (پٹنہ)، پیام تعلیم (نئی دہلی)، ٹافی (لکھنؤ) اور دیگر رسائل میں شائع ہوئیں۔ ان کی ایک نظم 'دعا' بہار اسکول ٹیکسٹ بک میں شامل ہے۔ بچوں کے لیے کہانیوں کا مجموعہ 'سرخ آنکھ' اور ایک جاسوسی ناول 'آدم خور انسان' شائع ہو چکے ہیں اور بہت مقبول ہیں۔

ون ون، ٹو ٹو، تھری تھری، فور جنگل میں جب ناچے مور
مرغا بولا ککڑوں کوں! میں بھی گانا گاتا ہوں
ون ون، ٹو ٹو، تھری تھری، فور
جنگل میں جب ناچے مور

چھک چھک چھک چھک کرتی ہے ریل ہماری چلتی ہے
میں جب سیٹی دیتا ہوں وہ آگے بڑھ جاتی ہے
کلکتہ جب آتا ہے
رک جاتی ہے کر کے شور

ٹِک ٹِک ٹِک ٹِک کرتی ہے گھڑی ہماری چلتی ہے
بارہ جب بج جاتے ہیں تب تھوڑا ستاتی ہے
ٹن ٹن گھنٹہ بجتا ہے
جاگو جاگو آئی بھور

ٹھائیں ٹھائیں کرتی ہے میری 'پسٹل' چلتی ہے
دشمن دیکھ کے ڈر جائے یہ تو آگ اگلتی ہے
نو دو گیارہ ہوتا ہے
اندھیارے میں بیٹھا چور

Shahid Jameel
202- A D Mension
Ashiana Deegha Road, Neaar Axis Bank
P.O.B.V College, Patna - 800014 (Bihar)

جھوٹ سے دور ہی رہو بچو

جھوٹ بچو! پنپ نہ پائے گا
سامنے سچ ضرور آئے گا
سچ کے کہنے میں ہوتی ہے دقت
اس میں لیکن ہمیشہ ہے راحت
سچ جو بولے وہ پائے گا عزت
ورنہ حصے میں آئے گی ذلت
سچ جو ماں باپ سے چھپاتے ہیں
صرف نقصان ہی اٹھاتے ہیں
اپنے ٹیچر سے سچ جو کہتے ہیں
ان کو ٹیچر عزیز رکھتے ہیں
دوستوں سے جو جھوٹ بولے گا
ان کا وہ اعتماد کھو دے گا
سچ کو کہنے سے مت ڈرو بچو
جھوٹ سے دور ہی رہو بچو

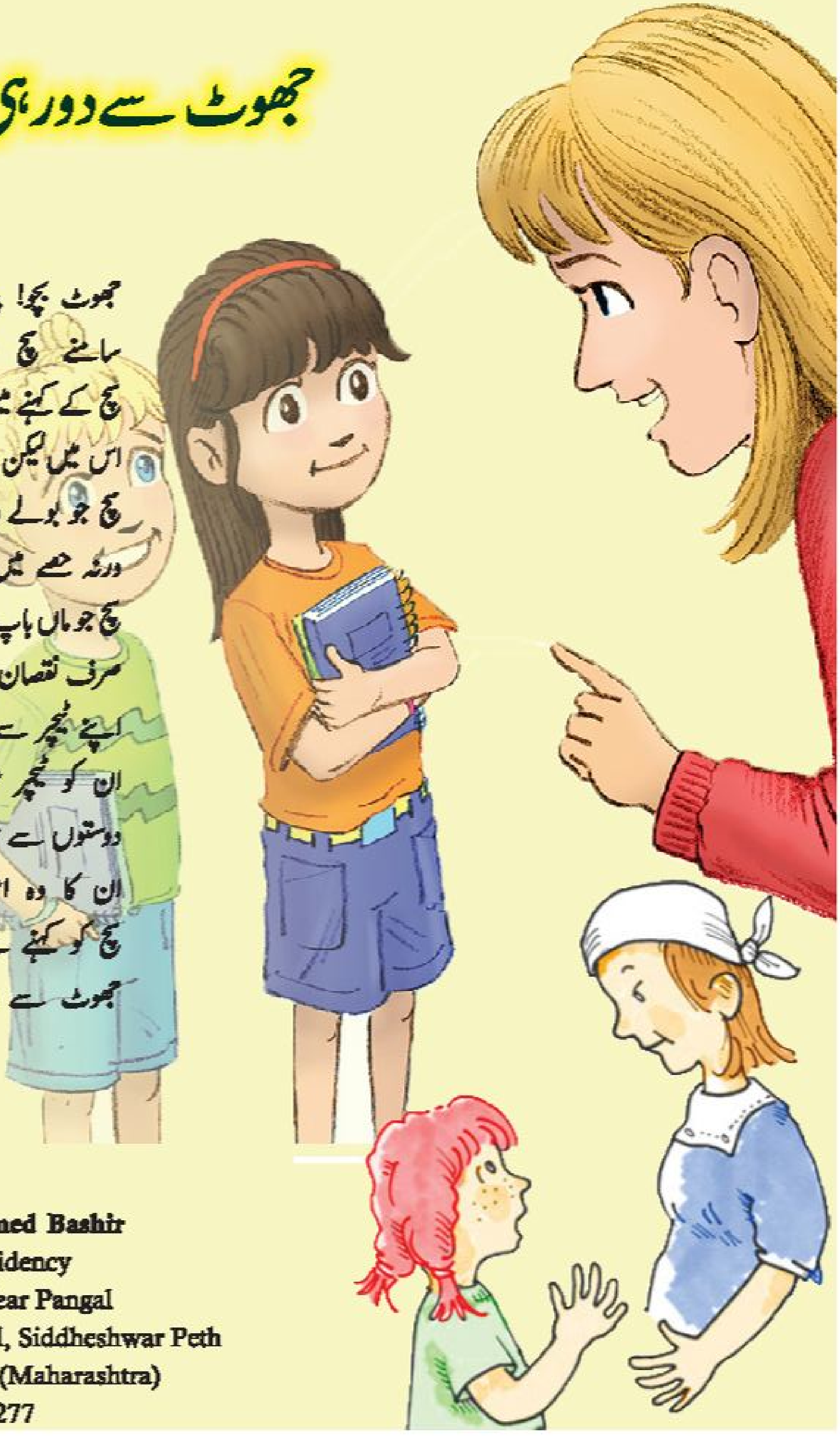

■

Syed Bashir Ahmed Bashir
Darus-Salam Residency
7th Floor, 708, Near Pangal
Urdu High School, Siddheshwar Peth
Solapur - 413001 (Maharashtra)
Mob.: 09325008277

موج مستی کے دن

نظم

محمد وزیر عالم

محمد وزیر عالم وزیر کا تعلق رکسول ضلع مشرقی چمپارن سے ہے۔ انھوں نے اردو سے بی اے اور ایم کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ آئیڈیل انگلش اکیڈمی کھرما پتھرا دربھنگہ میں بائیس سال تک پرنسپل کے عہدے پر مامور رہے۔ فی الحال اپنے علاقے کے ایک مدرسے میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان کی تخلیقات مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہوتی رہی ہیں، خاص طور پر یہ بچوں کے لیے لکھتے رہے ہیں۔

آگئے آگئے اب تو گرمی کے دن
ٹھنڈے مشروب کے اور لسّی کے دن
کوکا کولا کے دن اور فروٹی کے دن
یہ ہیں آئس کریم اور قلفی کے دن
آگئے آگئے اب تو گرمی کے دن
کھیلنے کودنے اور مستی کے دن

کپکپاہٹ گئی، سرد موسم گیا
دھیرے دھیرے یہ جاڑا گزر ہی گیا
بوجھ کپڑوں کا تن سے اتر ہی گیا
ہوگئے ختم اب سخت سردی کے دن
آگئے آگئے اب تو گرمی کے دن
کھیلنے کودنے اور مستی کے دن

اب پڑھائی کا بھی سال پورا ہوا
خیر سے فائنل امتحاں ہوگیا
اب تو درجہ بھی اپنا بدل جائے گا
آئے اسکول سے لمبی چھٹی کے دن
آگئے آگئے اب تو گرمی کے دن
کھیلنے کودنے اور مستی کے دن

آؤ پکنک منانے چلو باغ میں
آج جھولا لگانے چلو باغ میں
لطف فرصت اٹھانے چلو باغ میں
ایسے دن تو ہیں گلشن میں گشتی کے دن
آگئے آگئے اب تو گرمی کے دن
کھیلنے کودنے اور مستی کے دن

■

Md Wazeer Alam
Madarsa Rahmatul Uloom
Naukatola Raxaul,
East Champaran - 845305 (Bihar)

ذوالفقار خان زلفی

اپنی پہچان ہے اپنا ہندوستاں

اپنی پہچان ہے اپنا ہندوستاں
اپنی یہ جان ہے اپنا ہندوستاں

اس چمن کی فضا دلنشیں دیکھیے
پھول کھلتے ہیں کتنے حسیں دیکھیے
ایکتا ہے یہاں کے مکیں دیکھیے
اپنی پہچان ہے اپنا ہندوستاں
اپنی یہ جان ہے اپنا ہندوستاں

حوصلے سے عدو تیرے گھبرائے گا
جب ترنگا ہواؤں میں لہرائے گا
رنگ کیسا فضاؤں کو دکھلائے گا
اپنی پہچان ہے اپنا ہندوستاں
اپنی یہ جان ہے اپنا ہندوستاں

سرحدوں پر مرے دیش کے نوجواں
جن کو حیرت سے تکتا ہے سارا جہاں
ہر گھڑی خوف میں جن سے ہیں آندھیاں
اپنی پہچان ہے اپنا ہندوستاں
اپنی یہ جان ہے اپنا ہندوستاں

دشمنوں پہ گراتے ہیں ہم بجلیاں
چھا گئیں ہیں یہاں امن کی بدلیاں
رقص کرتی ہوئی پھول پر تتلیاں
اپنی پہچان ہے اپنا ہندوستاں
اپنی یہ جان ہے اپنا ہندوستاں

زلفی سب کو سنائے گا یہ داستاں
ناز سے دیکھتا ہے ہمیں آسماں
یوں ہی شاداب دلکش رہے گلستاں

اپنی پہچان ہے اپنا ہندوستاں
اپنی یہ جان ہے اپنا ہندوستاں

■

Zulfiqar Khan Zulfi
H. No.:4/428 , Zohara Bagh
Bakery Wali Gali
Aligarh - 202001
Mob.: 7906715229

سبزی والے

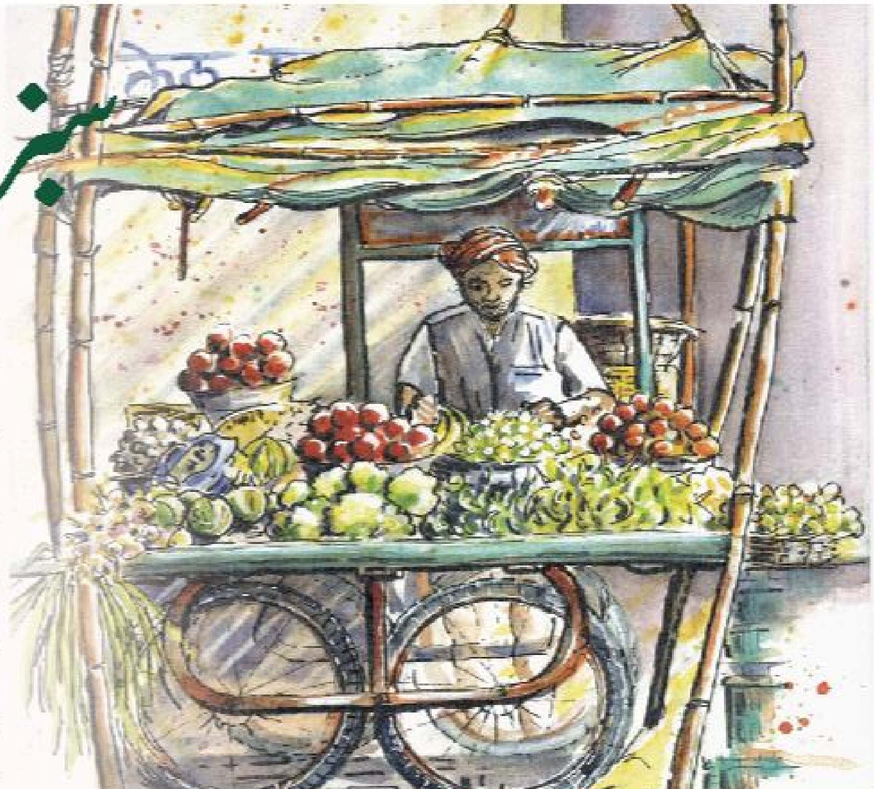

سبزی والے! سبزی والے!
کیا کیا ٹھیلے پر ہیں تیرے
آلو، بیگن، سیم اور گوبی
ساگ ٹماٹر کدو جھیمی
اس ٹھیلے پر یہ بھی ہوتا
سیب انگور امرود اور کیلا
لے گی تجھ سے میری مما
تازہ تازہ لیکن لانا
نام بتایا جن کا میں نے
میرے گھر میں سب ہیں کھاتے
بھائی بہن ہیں کھاتے میرے
ممی کھاتی، پاپا کھاتے
لانا عمدہ نارنگی بھی
چیز مزے کی وہ بھی ہوتی
خربوزے بھی تربوزے بھی
لانا بڑھیا تازہ ککری
اچھا جب بھی ہوگا سودا
گاہک تجھ کو خود ڈھونڈے گا

■

DrMansoor Khushter
Editor-Darbhanga Times
Purani Munsafi
Darbhanga-800 004(Bihar)
Mob.: 9234772764

منصور خوشتر

منصور خوشتر نوجوان ادیبوں میں اپنی ایک الگ پہچان رکھتے ہیں۔ 'دربھنگہ ٹائمز' اور 'تحقیق دربھنگہ' جیسے رسائل کے مدیر ہیں۔ دربھنگہ زون کے اردو روزنامہ 'قومی تنظیم' کے چیف بیورو بھی ہیں۔ ان کی تقریباً ایک درجن کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ بچوں کے لیے بھی انھوں نے بہت سی نظمیں لکھی ہیں جو مختلف رسائل و اخبارات میں چھپتی رہی ہیں۔ ادب اطفال سے ان کی خاص دلچسپی ہے۔ حال ہی میں 'بہار میں بچوں کا ادب' کے عنوان سے ان کی ایک کتاب منظر عام پر آئی ہیں جس میں بہار کے ادب اطفال کا مکمل جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

قمر سلیم

اڑن زوم

لامعہ بہت خوش تھی کیونکہ امریکہ سے اس کی پانچ سالہ چچا زاد بہن معیشہ اپنے دادا کے پاس ہندوستان آئی ہوئی تھی۔ وہ ایک کمرے میں اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔

تبھی اس کے والد نے پوچھا،'ارے لامعہ کیا کر رہی ہو؟'

'ڈیڈ! آپ کو پتا نہیں، ہم لوگوں نے 'اڑن زوم' بنایا ہے۔'

'اڑن زوم! یہ کیا ہے بھئی۔'

'ارے ڈیڈ! اڑن زوم ہماری ایئر مشین ہے۔ڈیڈ آپ نے اڑن تشتری، اڑن کھٹولا کے نام تو سنے ہوں گے۔ہم لوگوں نے اپنی اس ہوا میں اڑنے والی مشین کا نام اڑن زوم اس لیے رکھا ہے کہ ز سے زمین اور م سے مریخ۔یہ زمین سے اڑ کر مریخ پر جائے گی اور ہم لوگ اس میں بیٹھ کر جائیں گے۔'

'ہم لوگ کون؟'

'ارے میں، معیشہ، فائق،شاغل بھائی،عبداللہ بھائی اور عزنہ اپی۔'

'مگر اتنی چھوٹی سی مشین میں تم لوگ کیسے بیٹھو گے۔'

'تایا ابو، آپ کو معلوم نہیں ہے،عبداللہ بھائی نے ایک کیپسول بنایا ہے۔اس کے کھاتے ہی ہم لوگ چیونٹی کے برابر ہو جائیں گے اور اس مشین میں بیٹھ جائیں گے۔'معیشہ اپنی ٹیم کی کارکردگی کے بارے میں بتانے لگی۔

'اچھا! مگر تمھیں کچھ معلوم بھی ہے مریخ کے بارے میں، جیسے یہ کتنی دور ہے اور وہاں تک جانے میں کتنے دن لگیں گے۔'

'ہاں معلوم ہے نا۔زمین سے مریخ کی دوری چار سو ملین

کلو میٹر ہے اور ہم وہاں تقریباً اتنالیس دن میں پہنچ جائیں گے۔' عبداللہ نے سینہ چوڑا کرتے ہوئے کہا۔

'دیکھیے منہاج چاچا مریخ سورج کا چوتھا سیارہ ہے یعنی زمین سے اگلا اور یہ سائز میں زمین کا آدھا ہے۔ یہاں پر دن 24.6 گھنٹے کا ہوتا ہے اور ایک سال 687 دنوں کا ہوتا ہے۔' شارعہ نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

'اور مریخ لال سیارہ کہلاتا ہے کیونکہ یہاں کی زمین زنگ آلود ہے۔ یہاں پر سردی بہت ہوتی ہے۔ عام طور سے یہاں کا درجۂ حرارت نفی 80 ڈگری فارنہائٹ ہوتا ہے۔' مزنہ جلدی سے بولیں۔

'مریخ زیادہ تر پہاڑی علاقہ ہے۔ لال مٹی سے یہ سیارہ ڈھکا ہوا ہے۔ زمین کی طرح یہاں بھی ہوائیں چلتی ہیں۔ یہاں زمین کے مقابلے میں کشش تین گنا کم ہے اسی لیے اگر کسی چیز کا وزن زمین پر سو کلو ہے تو وہ یہاں صرف 38 کلو رہ جاتا ہے۔ کشش کی وجہ سے یہاں پر اوپر سے کوئی بھی چیز بہت آہستہ رفتار سے گرتی ہے۔ سنا ہے یہاں آکسیجن کی مقدار کم ہوتی ہے جبکہ کاربن ڈائی آکسائڈ کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں پر پانی تو نہیں ہے لیکن برف ضرور پائی جاتی ہے۔' اثمر نے کسی سائنس داں کی طرح معلومات فراہم کی۔

'لیکن ہم لوگ 30 دن میں پہنچنے کی کوشش کریں گے۔' شاغل نے بڑے فخر سے کہا۔

'پھر تم اتنے دن تک کھانا، پانی اور ہوا کے بنا کیسے رہو گے۔'

'ارے تایا ابو، اثمر بھائی نے ایک ایسٹرونانٹ سوٹ ڈیولپ کیا ہے اس کے لگاتے ہی ہمیں نہ تو پیاس لگے گی، نہ ہی بھوک لگے گی اور سانس لینے میں پرابلم بھی نہیں ہوگی۔' فائق نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

'مگر وہاں جا کر تم کیا کرو گے۔'

'چاچا، یہ لوگ وہاں جا کر ریسرچ کریں گے کہ مریخ پر کن حالات میں رہ سکتے ہیں۔' اثمر نے مزید معلومات دی۔

'مگر اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔'

'چاچا، ضرورت ہے۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ ہماری زمین پر کتنی آلودگی ہے۔ ہوا، پانی کچھ بھی تو ٹھیک نہیں ہے۔ ہم انسان اپنے فائدے کے لیے جنگلوں کو کاٹ رہے ہیں، پانی کو گندا کر رہے، ہوا میں کتنی بدبو ہے کہ جینا محال ہے۔' یسرا نے مریخ پر جانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا۔

'چاچو، یہی نہیں ہماری زمین پر آبادی بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ قدرتی وسائل ختم ہو رہے ہیں۔ لوگ بھوکے مر رہے ہیں۔ پانی کی قلت ہو رہی ہے۔ اس طرح ایک دن زمین کا وجود ہی ختم ہو جائے گا اس لیے ہمیں کچھ تو سوچنا ہوگا۔' شارعہ نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

'چاچا، دیکھیے نا اپنے دلی میں ہی ہر جگہ کتنی بھیڑ رہتی ہے، سڑکوں پر چلنا مشکل ہے۔ ہر جگہ ٹریفک جام ہے۔ تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے لیے گھنٹوں ٹریفک میں رکنا پڑتا ہے۔ اتنی آلودگی ہوتی ہے کہ سانس لینا مشکل ہوتا ہے۔ کتنی کھانسی اٹھتی ہے۔' صارم نے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

'ہاں دادا ابو کو تو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ رات بھر کھانسی اٹھتی رہتی ہے۔' لامعہ نے کہا۔

'ارے بابا تم سب بولنے لگے۔ مجھے ذرا سمجھنے تو دو۔ تم یہ سب کیسے کرو گے۔ تم لوگ تو چینٹی بن جاؤ گے۔ پھر!'

'جی چاچو، جیسے ہی ہم مریخ پر لینڈ کریں گے، ہم ایک دوسرا کیپسول کھائیں گے، اس کے کھاتے ہی ہم اپنی اصلی شکل میں آ جائیں گے۔ اس کیپسول کو رشاد بھائی نے تیار کیا ہے۔' مزنہ نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

'اپنی اصلی شکل میں آتے ہی ہم ایک شیلڈ پہن لیں گے۔ اس کے پہننے سے ہمیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ یہ شیلڈ شاغل بھیا نے تیار کی ہے۔' لامعہ جلدی سے بولی۔

'اچھا! مگر تم چھ لوگ ہی کیوں جا رہے ہو؟'

'ارے چاچو، دیکھیے میں تو پائلٹ ہوں، عبداللہ بھائی ڈاکٹر، شاغل بھائی انجینیر ، لامعہ اور معیشہ ریسرچرس ہیں اور مزنہ اپی اس کی کمان سنبھالیں گی۔' فائق نے بڑے فخر سے کہا۔

'اچھا چلو مان لیا تم لوگ وہاں پہنچ گئے اور ریسرچ بھی کر لی لیکن اس کے بعد کیا ہوگا؟'

'چاچا اگر ہم کامیاب ہوگئے تو ہم ایک بڑی ایئر مشین تیار کریں گے جس میں کم سے کم ہزار لوگ بیٹھ سکیں۔ انھیں ہم مریخ پر بسائیں گے۔' عبداللہ نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

'مگر اس میں تو بہت پیسہ خرچ ہوگا اور پھر زمین سے لوگوں کو لے کر جانے میں تو بہت وقت لگے گا۔'

'ہاں وہ تو ہے اسی لیے تو میں، رشاد، صارم، شارعہ اور اثمر پانچوں مل کر پروگرام ڈیولپ کر رہے ہیں۔ اس سے بنا ایئر مشین کے لوگ مریخ پر پہنچ جائیں گے۔ اس پروگرام سے لوگ ڈس اپیر ہو جائیں گے اور مریخ پر پہنچ کر اپنی اصلی شکل میں آجائیں گے لیکن وہ پروگرام ان لوگوں کے مریخ سے واپس آنے پر ہی مکمل ہوگا۔ مریخ کی طبعی حالت کو دیکھ کر ہی ہم پروگرام کو مکمل کریں گے۔' نافعہ نے پروگرام کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

'اچھا، اب تمہارا پروگرام میری سمجھ میں آرہا ہے۔ تم لوگ کب سے اس پروگرام کی تیاری کر رہے ہو؟'

'بہت دن ہوگئے ہیں، تایا ابو۔' معیشہ نے کہا۔

'تم چھ لوگ مریخ پر جا رہے ہو تو زمین پر تمہارے پروگرام کو کون مانیٹر کرے گا؟'

'ہماری تین ونگ ہیں۔ فیلڈ ونگ کی کمانڈر ان چیف نافعہ باجی ہیں اور ڈپٹی رشاد بھائی ہیں، زمین ونگ کی کمانڈر ان چیف یسرا باجی ہیں اور ڈپٹی کمانڈر صارم بھائی ہیں اور مریخ ونگ کی کمانڈر ان چیف شارعہ باجی ہیں اور ڈپٹی کمانڈر اثمر بھائی ہیں۔ یہ لوگ یہاں سے پروگرام کو آپریٹ کریں گے۔' شاغل نے اپنے چاچا کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

'لیکن فیلڈ پر رشاد بھائی، صارم بھائی اور اثمر بھائی اڑن زوم کی اڑان کو مانیٹر کریں گے۔' لامعہ نے کہا۔

'اچھا تو تم لوگوں کی سب تیاری ہوگئی ہے اور تم لوگ کب جا رہے ہو؟'

'یہ لوگ کل صبح 3 بج کر 30 منٹ 52 سیکنڈس پر یہاں سے اپنے مشن پر چلے جائیں گے۔' رشاد نے لقمہ دیا۔

'مگر اس کا افتتاح کون کرے گا؟'

'دادا اور دادی' سب نے ایک آواز ہو کر کہا۔

ٹھیک صبح 3 بجے لامعہ کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اٹھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگی اور معیشہ، فائق، شاغل، عبداللہ اور مزنہ کو آوازیں دینے لگی۔ 'ارے سب لوگ جلدی سے اٹھو، ہمیں مریخ پر جانا ہے۔'

اس کی آوازیں سن کر اس کے ابو، امی اور گھر کے دوسرے لوگ بھی اٹھ گئے۔ وہ سب لوگ لامعہ کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔

■

Mohd Qamar Saleem
Flat No: 3, Atma Shanti Co-Operative
Housing Society, Plot No: 33, Sector 3
Washi, Navi Mumbai - 400703
(Maharashtra)
Mob.: 09322645061

اور چنیا پھنس گئی

جیساں وال گاؤں میں بھلّر نام کا ایک کنجزا رہتا تھا۔اس کے آنگن میں نیم کا ایک پرانا درخت تھا۔اس پر سونو اور مونو نام کی گلہری اور گلہرا رہا کرتے تھے۔ان کی ایک چھوٹی سی بیٹی چنیا تھی۔چنیا بہت ہی شرارتی اور چنچل تھی۔ہمیشہ پھدکتی رہتی تھی۔کبھی اس ڈال تو کبھی اس ڈال۔کبھی کبھی تو ایک دم پتلی شاخ پر چلی جاتی اور جھولتے ہوئے کہتی، "امّی! دیکھو میں کہاں آگئی ہوں...؟"

امّی اور ابّو اس کی اس حرکت پر اسے ڈانٹتے اور پکڑ کر گھونسلے کے قریب لے آتے اور سمجھاتے، "اگر ایسا کروگی تو کسی دن اپنا ہاتھ پیر تڑوا لوگی...... لینے کے دینے پڑ جائیں گے...... ابھی تم اتنی بڑی نہیں ہوگئی ہو۔جتنا دِکھانے کی کوشش کرتی ہو......"

ماں باپ کی ڈانٹ سن کر وہ سکڑ کے بیٹھ جاتی۔مگر اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتی۔

سراج فاروقی

سراج فاروقی اردو کے معروف افسانہ نگار ہیں اور اردو کے متعدد رسائل وجرائد میں ان کی تخلیقات شائع ہوتی رہتی ہیں۔ ان کی کتابوں میں آؤ جہیز کو ختم کریں، تم اب بھی، خدا کے لیے قابل ذکر ہیں۔ بچوں کے لیے 'اور چنیا پھنس گئی' کے عنوان سے ان کی ایک کتاب زیر طبع ہے۔ اس کے علاوہ دو افسانوی مجموعے 'بس اتنا سا ہے افسانہ'، 'لپ اسٹک' بھی زیر طبع ہیں۔ ہندی اردو کی کئی کہانیوں کے انھوں نے ترجمے بھی کیے ہیں اور مختلف اکادمیوں سے انھیں اعزازات مل چکے ہیں۔

ایک دن اس نے بھلر کے آنگن میں گول مٹول اور کچھ لمبی سی ہرے رنگ کی چیز دیکھی۔ اس پر سفید اور مٹ میلے رنگ کی پتلی پتلی دھاریاں بھی تھیں۔ اُس کا تجسس بڑھا اور اس نے امّی سے سوال کیا،"امّی! وہ کیا چیز ہے......؟"

امّی نے اُس کے اشارے کی طرف دیکھ کر کہا، "چنّی......!" کبھی کبھی وہ لاڈ میں آتی تو اُسے چُنّی بھی کہتی تھی۔ نہیں تو چِنیا ہی پکارتی تھی۔ آج وہ مگن میں تھی۔ اِس لیے اسے چُنّی کہہ کر مخاطب کیا اور کہا،"وہ تربوز ہے......"

"تربوز......!" چِنیا کا تجسس اور بڑھا۔ اس نے آنکھیں کھولتے اور بند کرتے ہوئے اسے بار بار دیکھا۔ آج تک اس نے تربوز نہ کھایا تھا اور نہ دیکھا تھا۔ اس نے امّی سے سوال کیا،"کیسا ہوتا ہے......؟"

امّی نے جواب دیا،"میٹھا ہوتا ہے...!"

اب تو جیسے چنیا کے منہ میں پانی آ گیا اور وہ ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی،"امّی! میں کھاؤں گی..." اور ہاتھ پاؤں پٹخنے لگی۔

امّی نے کہا،"ابھی نہیں... ہم لوگ ایک کام کے سلسلے میں باہر جا رہے ہیں۔ واپس آئیں گے تو بندوبست کرتے ہیں..."

چنیا ضد پر آ گئی،"نہیں... مجھے اَبھی کھانا ہے......"

ماں نے سمجھایا،"واپس آتے ہیں تو کچھ کرتے ہیں......"

لیکن چنیا نہیں مانی اور بولی،"میں جاؤں اور کھا کے آؤں...؟"

ماں نے ڈانٹا،"خبردار! جو ایسا کیا تو لینے کے دینے میں پڑ جاؤ گی۔ اَبھی تم کو دنیا کے اُتار چڑھاؤ کے بارے میں کچھ بھی پتہ نہیں ہے۔ پھنس جاؤ گی۔ انسان بہت چالاک ہوتے ہیں۔ طرح طرح کے جال پھیلائے رہتے ہیں۔ جو ہوتا ہے وہ دکھتا نہیں اور جو دکھتا ہے وہ ہوتا نہیں ہے......"

اَب تک اس کا باپ بھی ان کے پاس آ گیا تھا۔ وہ پیڑ کی بلندی پر بیٹھا کسی جرنیل کی طرح معائنہ کر رہا تھا کہ درخت سے نیچے اترنا محفوظ ہے یا نہیں۔ جب وہ قدرے مطمئن ہو گیا تو گھونسلے کے قریب آیا۔ بیوی، چنیا کو سمجھا رہی تھی۔ چنیا اب قدرے شانت تھی۔ لیکن کچھ باتیں باپ کے کان میں بھی پڑ گئی تھیں۔ اس نے بھی چنیا کو ضروری ہدایتیں دیں اور بیوی کو چلنے کا حکم دیا۔

چنیا کی ماں نے چُنّی کو پیار کیا۔ چوما چاٹا۔ اس کے بعد کہا،"آتی ہوں تو کھلاتی ہوں۔ نیچے مت اترنا۔ گھونسلے کے پاس ہی کھیلنا......!"

دونوں میاں بیوی چلے گئے۔

چنیا اپنے گھونسلے کے پاس بیٹھی، اپنے ماں باپ کو جاتے ہوئے چھوٹی چھوٹی، نازک نازک آنکھوں سے ٹکر ٹکر دیکھتی رہی۔ جب وہ لوگ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے تو کچھ دیر تک وہ یوں ہی گم صم سی بیٹھی رہی۔ اس کے بعد اس کی نگاہیں خود بخود تربوز کی طرف چلی گئیں۔ لیکن یہی وہ پل تھا۔ جب اسے ماں کی نصیحتیں و ہدایتیں یاد آ گئی تھیں اور وہ ادھر سے نظریں ہٹا کر درخت کی اوپری جانب چلی گئی تھی۔ تا کہ تربوز اس کی نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ لیکن جہاں بھی جاتی ہے۔ وہ تربوز اسے صاف دکھائی دے جاتا ہے اور اس کی لالچ کو دعوت دیتا ہے۔ وہ تربوز کو بھلانے کی غرض سے کبھی اس ڈال تو کبھی اس ڈال پر چلی جاتی ہے۔ مگر جیسے ہی کہیں رُکتی ہے۔ وہ تربوز آنکھوں میں ہی ہوتا ہے۔

آخر! تھک ہار کر اس نے فیصلہ کر لیا۔ کیوں نہ آزمایا جائے۔ امّی اور ابّو گھر پر نہیں ہیں۔ مجھے ابھی دکھائی نہیں دے

رہا ہے۔لگتا ہے وہ لوگ باہر گئے ہیں۔جلدی سے جا کر کھا آتی ہوں۔کسی کو کیا معلوم پڑے گا؟ چنانچہ ہمت کر کے کنجڑے کے آنگن میں ہوشیاری سے اتر گئی اور جلدی جلدی تربوز کو کترنے لگی۔پہلے اس کا چھلکا اسے قطعی نہ بھایا۔پھیکا پھیکا اور کچھ کسیلا سا لگا۔اس نے سوچا، امّی نے تو کہا تھا میٹھا ہے۔پر یہ کیسا ہے؟ امّی تو جھوٹ نہیں بول سکتی ہے۔سچ ہی کہا ہوگا۔کیوں نا تھوڑی اور کوشش کی جائے۔اور وہ کترنے لگی۔جلد ہی اس کی محنت رنگ لائی۔اس کے نکیلے دانت اس کے میٹھے گودے میں پہنچ گئے۔جب اس کے منہ کو تربوز کا میٹھا اور رسیلا ذائقہ محسوس ہوا تو بڑا مزہ آیا۔جلدی جلدی کھانے لگی۔ایسا خوش ذائقہ پھل اس نے نہیں کھایا تھا۔اسے بڑا ہی مزہ آرہا تھا۔ وہ گرد و پیش سے بے خبر کھائے جا رہی تھی...... . کھائے جارہی تھی۔

ایک وقت ایسا آیا۔ وہ اس پار ہوگئی۔یعنی اِدھر سے کھاتے کھاتے اس کا منہ ادھر ہوگیا۔اب کیا تھا؟ وہ اس میں پھنس گئی تھی۔نہ آگے جا سکتی تھی اور نہ پیچھے۔اس نے بارہا کوشش کی۔اس میں سے نکل جائے۔مگر نہیں نکل پائی تھی۔تاہم امّی امّی اور ابّو ابّو کر کے بچاؤ بچاؤ کا نعرہ لگانے لگی تھی۔مگر امّی ابّو یہاں کہاں تھے؟ وہ تو کسی کام سے باہر گئے تھے۔

اَب اسے اپنی امّی اور ابّو کی باتیں یاد آنے لگی تھیں۔ انھوں نے سچ ہی کہا تھا۔نیچے مت جانا۔دنیا بڑی چالاک ہے۔دنیا کے اونچ نیچ کا تمھیں علم نہیں ہے۔دنیا پھنسا دے گی اور تم پھنس جاؤ گی۔اور وہ رہ رہ کر، گڑگڑا، گڑگڑا کر دعائیں کر رہی تھی۔اور اپنے امّی ابّو سے خیالی معافی بھی مانگ رہی تھی۔مگر کون تھا وہاں سننے والا؟ آخرکار چلّاتے چلّاتے اس کا گلا سوکھ گیا اور وہ مَرے مَرے گلے سے رہ رہ کر آواز نکال رہی تھی، ”اَب... ابّو... ابّو...... مجھے بچالو......اُم... امّی...... امّی مجھے......بچالو......!“

یہی وہ پل تھا۔جب اس کے امّی ابّو گھونسلے میں آئے۔ گھونسلے میں آکر انھوں نے دیکھا۔ان کی چنیا وہاں نہیں ہے۔ وہ گھبرا گئے۔جلدی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے اور پیار میں ڈوبی آوازیں لگانے لگے۔مگر کہیں سے اس کی آواز نہ آئی۔یکا یک چنیا کی والدہ کے کان میں کچھ ڈوبتی سی آواز پڑی۔اس نے اُدھر کان لگا دیئے تو یہ سمجھتے دیر نہ لگی کہ یہ چنیا کی ہی آواز ہے۔اس نے چنیا کے ابّا سے کہا تو وہ بھی اُدھر کان لگا کر سنے اور تھوڑی دیر بعد فیصلہ کر دیا، ”چنیا ہی ہے..!“

اَب کیا تھا؟ جلدی جلدی دونوں میاں بیوی، سر پر پاؤں رکھ کر کنجڑے کے آنگن کی طرف جا رہے تھے۔اَب تک چنیا چیخ چیخ کر جاں بلب ہوگئی تھی۔اس کا سر ایک طرف کو لڑھک گیا تھا۔ مدھم مدھم سی مَری مَری آواز نکل رہی تھی، ”اُم......امّی...... بچاؤ......اَب...... ابّو...... بچاؤ......!“

جلدی جلدی دونوں میاں بیوی نے تربوز کو کاٹ کر اسے باہر نکالا۔ بر وقت ان کی آمد سے چنیا کی جان بچ گئی تھی۔اس نے امّی ابّو سے معافی مانگی اور یہ عہد لیا کہ اب وہ ان کی نافرمانی کبھی نہ کرے گی۔

دیکھا بچو! اماں باپ کا کہنا نہ ماننے کا نتیجہ۔

■

Siraj Farooqui
703-Word Ghar
Panvel - 410206
Distt: Raigad, Navi Mumbai (Maharashtra)
Mob.: 08108894969

مٹی کا کٹورا

محمد ارشد خان

ڈاکٹر محمد ارشد خان، جی ایف کالج شاہجہانپور یوپی کے شعبۂ ہندی میں ایسوسی ایٹ پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان کی ہندی اور اردو میں تقریباً پندرہ کتابیں مختلف اہم اداروں سے شائع ہو چکی ہیں۔ ان کی کئی کہانیاں درسی کتابوں میں بھی شامل ہیں اور انھیں کئی اہم اداروں سے ایوارڈ بھی مل چکے ہیں۔ اردو کے علاوہ دیگر زبانوں میں بھی ان کی تخلیقات کے ترجمے ہو چکے ہیں۔

دادی کو حج پر جانے میں ابھی دو مہینے باقی تھے، لیکن اس کی تیاریاں انھوں نے ابھی سے شروع کر دی تھیں۔ ایک پرانی اٹیچی، جس کے کنڈوں میں تالا لٹک جاتا تھا، کو دھوپ دکھا کر، اندر اخبار بچھا کر تیار کر لیا تھا، اس میں وہ روز کچھ نہ کچھ سامان رکھا کرتی تھیں۔

ان کے ساتھ ابو بھی حج کو جا رہے تھے۔ دوکانداری کی مصروفیت میں وہ اتنا وقت نہیں پاتے تھے کہ اس بارے میں سوچ سکیں۔ جانے سے پہلے وہ بڑے چچا کو ساری باتیں سمجھا جانا چاہتے تھے۔ بڑے چچا یوں تو ان کے ساتھ دوکان پر برابر بیٹھتے تھے، سارا حساب کتاب بھی دیکھتے تھے، لیکن ابو کی وجہ سے ان میں بے فکری تھی۔

ابو جب رات کو گھر لوٹتے تو دادی انھیں اگلے دن لانے والے سامان کی فہرست تھما دیتیں چھوٹی قرآن، پنج سورہ، تسبیح، جانماز اور بھی بہت کچھ۔ ایک دن ابو کو سامان کی لسٹ سونپتے ہوئے انھوں نے کہا، ''بیٹا، یوسف، لوٹنا تو ایک مٹی کا کٹورا بھی لیتے آنا۔''

"مٹی کا کٹورا...؟" ابو نے حیرت سے پوچھا۔

"پانی پینے کے لیے۔"

"لیکن آپ تو ہمیشہ تانبے کے گلاس میں پانی پیتی ہیں؟"

"ہاں، مگر سنا ہے کہ عرب میں پیڑ پودے نہیں ہیں۔ وہاں گرمی بہت پڑتی ہے۔ ریگستانی لو کے تھپیڑے چلتے رہتے ہیں۔ ایسے میں مٹی کے کٹورے میں پانی ٹھنڈا رہے گا۔"

ابو ہنس پڑے، "ارے اماں، وہاں کے انتظام بہت پختہ ہیں۔ وہ لوگ حاجیوں کو کوئی پریشانی نہیں ہونے دیتے۔ آپ کو ہر وقت ٹھنڈا پانی مہیا کرائیں گے اور تو اور بتاتے ہیں کہ کعبہ شریف کا فرش کڑی دھوپ میں بھی گرم نہیں ہوتا۔ جانے کیا انتظام کر رکھا ہے کہ تلووں کو ایسا احساس ہوتا ہے کہ صندل پر چل رہے ہوں۔"

"کچھ بھی ہو پر مجھے مٹی کا کٹورا چاہیے۔ نہ لا سکو تو میں خود لے آؤں گی۔" دادی نے ناراضگی سے کہا اور منہ گھما کر تسبیح پھرانے لگیں۔

"ایسا میں نے کب کہا۔ آپ کو چاہیے تو میں ضرور لے آؤں گا۔" ابو نے کہا اور اپنے کمرے میں چلے گئے۔

تین سال کا ماہتاب بڑی دیر سے ابو اور دادی کو باتیں کرتے دیکھ رہا تھا۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس نے دادی کے پاس جا کر پوچھا، "دادی آپ کہاں جا رہی ہیں؟"

"حج کرنے بیٹا۔"

"یہ حج کیا ہوتا ہے؟" اس نے اپنی توتلی آواز میں دوسرا سوال پوچھا۔

"بیٹا، حج اسلام کے پانچ فرائض میں سے ایک ہے۔ اللہ نے ہر اس مسلمان پر حج فرض کیا ہے جس کے پاس اتنی دولت ہو کہ وہ حج کا خرچ اٹھا سکے۔"

ماہتاب کو کچھ سمجھ نہیں آیا۔ وہ چلا گیا۔ پر دادی کی بات سن رہی صبیحہ نے پوچھ لیا، "دادی، اسلام کے باقی چار فرض کون کون سے ہیں؟"

دادی خوش ہو گئیں۔ آج کل وہ بھی چاہتی تھیں کہ گھر پر صرف دین کی باتیں ہوں۔ وہ چہک کر بتانے لگیں، "یہ چار فرض ہیں: توحید، یعنی کہ اللہ ایک ہے۔ صرف وہی عبادت کے لائق ہے اور محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ دوسرا پانچ وقت کی نماز پڑھنا، تیسرا رمضان کے روزے رکھنا اور چوتھا زکاۃ یعنی جو صاحب نصاب ہو، اس کو اپنی کل رقم کا ڈھائی فیصد زکوۃ کے مستحقوں کو پہنچانا۔

"دیکھو بیٹا، جب آدمی اپنے قریب کی مسجد میں پانچ وقت کی نماز پڑھنے جاتا ہے تو محلے کے لوگوں سے اس کا ملنا جلنا ہوتا ہے۔ اسے پڑوسیوں کے دکھ سکھ کی جانکاری ہوتی ہے۔ اسی طرح ہفتے میں ایک دن جمعے کی نماز میں وہ کئی محلے کے لوگوں سے ملتا جلتا ہے۔ پھر جب عید کی نماز ہوتی ہے تو سارے شہر کے لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے۔ اسی طرح حج کے دوران وہ پوری دنیا کے لوگوں سے ملتا جلتا ہے اور اس کے اندر یہ احساس جاگتا ہے کہ اللہ کے دربار میں چھوٹا بڑا، گورا کالا، امیر غریب نہیں ہوتا، سب برابر ہیں۔"

پھر تو مجلس جم گئی۔ امی، بڑے چچا، چھوٹے چچا سب آ کر بیٹھ گئے۔ دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔

ایک دن نجمن دادی ان سے ملنے آئیں۔ وہ محلے کی سب سے بزرگ عورت تھیں۔ دادی انہیں بجو کہتی تھیں۔ بجو یعنی باجی، مطلب بڑی بہن۔ ان کی سنا سنی ہم سب بھی انہیں بجو کہنے لگے تھے۔ وہ حج کر چکی تھیں۔ 70-75 کی عمر میں بھی ان کی چستی پھرتی لوگوں کو حیرت میں ڈالتی تھی۔ دبلی پتلی

کاٹھی، پوری بتیسی سلامت، بالوں پر سفیدی ضرور آ گئی تھی، پر اب بھی ویسے ہی گھنے تھے۔ قمر تھوڑی جھک گئی تھی، پر چال ایسی کہ 5 منٹ میں کلومیٹر طے کرلیں۔ کہیں جانا ہو تو بنا کسی کا سہارا لیے اکیلی جاتیں۔ پرانا مٹمیلا نقاب اوڑھے، ایک ہاتھ میں پان کا بٹوہ دبائے جب گھر سے نکلتیں تو ہر کوئی انھیں سلام بجاتا۔

آتے ہی وہ دادی سے بولیں، "دیکھو بلقیس، کپڑے لتے جو بھی لے جا رہی ہو، لے جاؤ، پر چھوٹی موٹی چیزیں رکھنا مت بھولنا۔ دوپٹے کی چپلیں، وضو کا لوٹا، جانماز، نہانے دھونے کا صابن، تولیہ، مسواک، کھانے پینے کی سوکھی چیزیں۔ یہ چیزیں، بہت کام آئیں گی۔ لے جانے والے سامانوں کی ایک فہرست تیار کرلو۔ ایک ایک سامان رکھتی جاؤ اور اس پر نشان لگاتی جاؤ۔"

جمن دادی کی باتیں سننے کے لیے سب گھیر کر بیٹھے ہوئے تھے۔ باتیں کرنے کا ان کا انداز ایسا مزیدار ہوتا تھا کہ وہ جب بھی آتیں، سارا گھر ان کی باتیں سننے بیٹھ جاتا تھا۔ چھوٹا ماہتاب تک ان کی گود میں سوار ہو جاتا۔

جمن دادی نے بٹوے سے پان نکالا اور منہ میں ڈالتے ہوئے بولیں، "اور ہاں، لے جانی والے بکسے میں تھوڑی جگہ ضرور بچا کر رکھنا۔ ادھر سے بہت کچھ لانا ہوتا ہے۔ آب زمزم، جانمازیں، تسبیح۔ جمن بن کر لوٹو گی تو لوگوں کو وہاں کا تبرک بھی تو بانٹنا ہوگا۔ ہاں، نہیں تو یہاں سے سامان ٹھونس کر لے گئے اور وہاں سے کچھ لانے کی جگہ ہی نہ بچی۔" یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگیں۔

دھیرے دھیرے حج پر جانے کی تاریخ بھی آ گئی۔ ابو نے سارا سامان رکھتے ہوئے کہا، "اماں، آپ نے پانی کا کٹورا رکھ تو لیا ہے، پر لانے لے جانے میں یہ سلامت رہ پائے گا، مجھے نہیں لگتا۔" وہ چاہ رہے تھے کہ دادی مٹی کا کٹورا اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔

"تم اس کی فکر مت کرو" دادی نے کہا، "میں نے اسے تھیلے میں رکھ لیا ہے۔ تھیلا میرے ہی پاس رہے گا۔ میں پورا دھیان رکھوں گی۔"

ابو چپ ہو گئے۔

جس دن گھر سے نکلنا تھا، رشتے دار اور محلے کے لوگ ملنے آئے۔ سب نے انھیں پھولوں کی مالا پہنائی، مٹھائیاں بھینٹ کیں اور اپنے لیے دعا کرنے کی درخواست کی۔

دادی جب گھر سے نکلیں تو امی ان سے لپٹ کر رونے لگیں۔ دادی بھی اپنے کو نہیں سنبھال سکیں۔ بھرے گلے سے بولیں، "بیٹا، زندگی سلامت رہی تو 40 دن بعد لوٹنا ہوگا۔ میری جو بھول غلطیاں ہوں، انجانے میں کبھی دل دکھایا ہو تو معاف کرنا۔"

"اماں، آپ..." امی بس اتنا ہی کہہ سکیں اور پھپھک پڑیں۔ جب ان کی گاڑی لکھنؤ ایئرپورٹ کی طرف روانہ ہوئی تو وہ اوجھل ہونے تک اسے دیکھتی رہیں۔

حج ہاؤس کی تمام کاغذی کارروائیوں سے گزر کر دادی اور ابو ایئرپورٹ پہنچے۔ ان کی اٹیچیاں پیک ہو کر جہاز پر لدنے بھیج دی گئیں۔ کندھے پر پڑا تھیلا ہی ان کے ساتھ رہ گیا۔ جب وہ جہاز پر سوار ہونے کے لیے گیٹ پر پہنچے تو ان کے تھیلوں کی جانچ کی گئی۔ دادی کے تھیلے میں مٹی کا کٹورا دیکھ کر جانچ کرنے والا افسر مسکرا دیا۔ ابو شرم سے پانی پانی ہو گئے، لیکن دادی پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ بولیں، "پانی پینے کے لیے لے جا رہی ہوں۔" مگر افسر نے ان کی بات پر دھیان نہ دیتے ہوئے تھیلا انھیں واپس پکڑا دیا۔

مکہ میں انھیں کعبے کے نزدیک ہی کمرا ملا تھا۔ اس کی

کھڑکی سے کعبہ دکھائی دیتا تھا۔ دادی ہاتھ پھیلا پھیلا کر سب کے لیے دعا مانگتیں۔ کمرے سے نکلتے ہی باہر فریز رلگا ہوا تھا۔ ابو روز صبح ٹھنڈا تازہ پانی لاکر کولر میں بھر لیتے۔ پر انھوں نے دھیان دیا کہ آنے کے بعد ایک بھی دن دادی نے مٹی کے کٹورے میں پانی نہیں پیا۔ ہاں، یہ ضرور تھا کہ وہ روز کٹورا نکالتیں، اسے ایسے چھوتیں جیسے کسی بچے کو گود میں دلار رہی ہوں اور تھیلے میں واپس رکھ دیتیں۔

جس دن انھیں کعبے کا طواف کرنا تھا، دادی نے کٹورے کو تھیلے میں ڈال کر کندھے پر لٹکا دیا۔ ابو چڑھ کر بولے، ''اماں، یہ سب لے جاکر کیوں بوجھ بڑھا رہی ہو۔ وہاں ویسے بھی بہت بھیڑ ہوگی۔ اور آج سے تین دن کڑی عبادت اور محنت کے ہیں۔ کلومیٹروں چلنا پڑے گا۔ صفا مروا پہاڑیوں کے بیچ دوڑنا ہوگا۔ شیطان کو کنکریاں مارنی ہوں گی، منیٰ سے عرفات، عرفات سے مزدلفا، پھر واپس منیٰ لوٹنا... نہیں سمجھتیں کتنی پریشانی ہوگی۔''

دادی کچھ نہ بولیں۔ لیکن انھوں نے چہرے سے ایسے ظاہر کیا جیسے وہ اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتیں۔ ابو خاموش ہو رہے۔

دادی یوں تو گھٹنے کے درد سے پریشان رہتی تھیں، لیکن مکے میں پہنچ کر ان میں جانے کہاں سے طاقت آ گئی تھی۔ انھوں نے حج کے سارے ارکان کسی بچے کی طرح جوش و خروش سے پورے کر لیے۔

حج کے بعد ڈھیرے ڈھیرے حاجیوں کے جتھے واپس لوٹنے لگے۔ دادی اور ابو کا جہاز واپس اڑا تو اس نے آٹھ گھنٹوں میں انھیں لکھنؤ اتار دیا۔ بڑے چچا، چھوٹے چچا گاڑی لے کر پہلے ہی ان کے انتظار میں کھڑے تھے۔

گھر آکر جب سارا سامان خالی کیا جانے لگا تو ابا نے مٹی کا کٹورا دادی کو تھماتے ہوئے کہا، ''اماں یہ رہا آپ کا کٹورا۔ حفاظت سے رکھ لیجیے ورنہ سامان ادھر ادھر کرنے میں ٹوٹ جائے گا۔''

''کوئی بات نہیں۔ اب اس کی ضرورت نہیں۔'' دادی بے فکری سے بولیں۔

ابو حیرت میں آ گئے۔ ان سے نہ رہا گیا۔ بولے، ''اماں، کہاں تو اس کٹورے کو آپ لے گئی تھیں اور اب کہہ رہی ہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں؟ جب استعمال ہی نہیں کرنا تھا تو آخر اسے لے کیوں گئی تھیں؟''

دادی ایک پل کے لیے خاموش ہو گئیں۔ ان کی سوکھی آنکھوں میں آنسو چھلچھلا آئے۔ انھوں نے خود کو قابو کرتے ہوئے کہا، ''بیٹا، یہ مٹی کا کٹورا دنیا کے لیے ہوگا۔ میرے لیے یہ اپنے پاک وطن کی مٹی تھی۔ وطن سے اتنے دنوں دور رہ کر بھی وطن کا احساس میرے ساتھ تھا۔ خدا نہ کرے، پردیس میں مجھے کچھ ہو بھی جاتا تو اس بات کا سکون رہتا کہ مجھے پیارے وطن کی مٹی نصیب ہوئی۔ بیٹا میرا بچپن، جوانی اور اب بڑھاپا اسی مٹی میں بیتا۔ میں اس احساس کو اپنے سینے سے ایک پل کو جدا نہیں کر سکتی۔ جس وطن کی مٹی میں کھیل کر ہماری پیڑھیاں گزریں، اسے میں ایسے کیسے چھوڑ دیتی؟''

دادی بولتی رہیں اور سب اپنی آنکھوں میں آنسو لیے ان کے جذبات سنتے رہے۔

■

Dr. Mohd. Arshad Khan
Dept. of Hindi,
G. F. College
Shahjahanpur-242001 (U.P.)
Mob.: 9807006288

مئی کی چھٹیاں

ہم تین بہنیں ہیں۔ درنجف، درمکنون اور درشہوار۔

بدقسمتی سے ہمارے نام کافی پیچیدہ ہیں لیکن خوش قسمتی سے لوگ انجان ناموں کی ستائش کرتے ہیں۔

میں سب سے بڑی درنجف!

مئی کی چھٹیاں ہم بہنوں کے لیے نہایت ہی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ کیونکہ پورا سال اسی مہینے میں آکر ٹھہر جاتا ہے۔

اس بار کی چھٹیوں میں بھی ہم تینوں بہنوں نے ماہ اپریل سے ہی منصوبے بنانا شروع کر دیے۔ درشہوار کا خیال تھا کہ ہمیں لندن میں منعقد ہونے والی عظیم الشان نمائش میں جانا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ کہ محترمہ کا عزیز ترین مشغلہ مصوری ہے۔ نیز اللہ تبارک تعالیٰ کے فضل و کرم سے اتنی نوازشیں عنایت کی گئی ہیں کہ ہم بہ آسانی چاچو کے ساتھ لندن جا سکتے تھے۔ مگر درمکنون کی قیمتی آرا کے بغیر فیصلہ ناممکن تھا۔ اس کے خیال کے مطابق ترکی میں مقیم ہمارے پیارے چاچو جان کے پاس جانا ہی چھٹیوں کا صحیح مصرف تھا۔

بہرکیف، ہم تینوں کی باہمی صلاح سے طے ہوا کہ اس مئی کو گھر پر ہی گزارتے ہیں!

فیصلہ انوکھا مگر پرکشش تھا کہ ہم نے اپنی زندگی کے اب تک کے تعلیمی سالوں کی ایک بھی چھٹی گھر پر نہیں گزاری تھی۔

تقریباً 15 اپریل کے بعد تینوں ہی فارغ ہو گئیں۔

طویل امتحانات کے بعد ملنے والی فراغت کے اس دورانیہ کو ہم یادگار بنانا چاہتے تھے۔

فل ایڈونچر...!!

چھٹی کے پہلے دن ہی ہم نے نوکرانی کی چھٹی کر دی۔

بڑے ہونے کا شرف مجھے حاصل ہے لیے دوپہر کا کھانا مجھے بنانا ہوگا۔ درشہوار کے ذمہ عشائیہ یعنی رات کا کھانا اور درمکنون کے سر ناشتہ آیا۔

پچھلی رات کو تقریباً دو بجے تک گپیں لگاتے لگاتے نیند کی وادی میں ہم کب گئے اللہ بہتر جانے!

صبح صادق کو بیدار ہونے کی بجائے ہم تینوں بارہ کے قریب بیدار ہوئے۔

درشہوار کی پانی بھری بالٹی نے مکنون کو اٹھنے پر مجبور کر دیا۔ نہ چاہتے ہوئے میں بھی آنکھیں سکیڑتے ہوئے بیدار ہوگئی۔ غسل کرنے کے بعد مالیگاؤں ہمارے گھر میں تیسری جنگ عظیم چھڑ گئی۔

یہ جنگ میرے اور درمکنون کے درمیان تھی۔ جج کچھ کام درشہوار بھی انجام دے رہی تھی، ویسے بھی ماں باپ کی موت کے بعد ہمیں درشہوار نے ہی سنبھالا تھا۔ باوجود اس کے کہ وہ سب سے چھوٹی تھی۔ ہاں! ہمارے والدین ترکی سے واپسی

کے سفر میں ایک حادثے میں اِس جہاں سے اُس جہاں منتقل ہو گئے تھے۔ان کا فلائٹ کریش ہو گیا تھا۔خیر قارئین! ہم نے زندگی کے اس باب کو بند کر کے سدباب کرنا سیکھ ہی لیا ہے۔ وقت سے بڑا استاد بھلا اور کون ہو گا اس جہاں میں والدین کی چھوڑی ہوئی جائیداد بلا مبالغہ ہماری سات نہیں، تین پشتیں تو باآسانی کھا ہی سکتی تھیں۔

آخر کو ہمارے بابا جانی (والد محترم) ایک مشہور بزنس مین تھے اور اگر کبھی مالک خداوندی کا یہ کرم نہ بھی ہوتا تو ہمارے ترک چاچو کا خلوص ہمیں ایک پر تعیش زندگی ہی فراہم کرتا!!

لوٹتے ہیں تیسری جنگ عظیم کی طرف!!

اس جنگ کی وجہ بارہ بجے پکایا جانے والا کھانا (بریک فاسٹ یا لنچ؟) تھا!

درمکنون کا کہنا تھا کہ سورج بیدار ہو کر شعائیں برسا رہا ہے لہٰذا اب سیدھا دوپہر کا کھانا بنایا جائے۔ جبکہ ہمارا دماغ کہہ رہا تھا کہ ہم ابھی بیدار ہوئے ہیں اس لیے ناشتہ مکنون کے ہاتھوں بنوایا جائے۔

درشہوار کے بیچ میں کودنے سے 'نیٹو'، 'سیٹو' اور 'وارسا' سے کئی گنا زیادہ عظیم الشان معاہدہ طے پایا۔ جس میں درج تھا کہ ناشتہ گول کرتے ہوئے دوپہر کا اچھا کھانا تینوں مل کر بنائیں گی۔

شاید قارئین کو درشہوار سے ہمدردی ہو رہی ہو کہ بیچاری نے اس لڑائی کو روکنے کے لیے خود بھی کوکنگ میں شمولیت اختیار کر لی۔

نہ نہ!!! اس نے جنگ لڑے بغیر اپنا مفاد حاصل کر لیا تھا۔

ان تین بہنوں کے معاہدے میں یہ بھی موجود تھا کہ رات کے کھانے کے لیے باہر سے آرڈر کیا جائے۔

دوپہر کے کھانے کے لیے طے پایا کہ بھنڈی اور دال پکائی جائے نیز روٹی اور چاول تو لازمی تھے۔

اس مینیو کے تعین کرنے کی وجہ ہم تینوں کا پھوہڑ پن تھا۔ کیونکہ ہماری کک عابدہ ہر طرح کے کھانے بنا لیتی ہے اس لیے ہم نے اس جانب کبھی بھی توجہ نہیں دی۔

(عابدہ چھٹیوں میں اپنے گاؤں چلی جاتی ہے۔)

بابرکت شروعات کے بعد سب سے پہلے کٹنگ بورڈ، بھنڈی کے لیے برآمد کیا گیا۔ درمکنون نے کٹ کٹ کی آواز سے دو منٹ میں کھٹ سے بھنڈی کاٹ کر رکھ دی اور ایک فاتحانہ مسکراہٹ اچھالی۔

میں نے شہوار کے ساتھ مل کر ادرک لہسن کا پیسٹ بنایا اور مکسر میں مسالہ گرائنڈ کیا۔

میں نے سوچا کہ کوکنگ اس دنیا کا آسان ترین کام ہے۔

لیکن جب بھنڈی ریسپی کے آگے کے مراحل کو ہم نے ویڈیو میں جانچا تو وہ کافی مشکل نظر آ رہا تھا۔ لہٰذا درمکنون کے کہنے پر ہم نے عابدہ کو فون کیا۔ اس کے بتائے ہوئے طریقے سے بھنڈی تیار ہوئی۔ اسے دم پر رکھنے کے بعد ہم دال کی طرف متوجہ ہوئے۔ دال دھونے کے بعد درشہوار نے کہا "دال کو پریشر کوکر میں گلایا جاتا ہے۔"

اسے سنجیو کپور کی استاد مانتے ہوئے ہم نے دال کو کوکر میں بند کر کے اسٹوو پر چڑھا دیا۔

درمکنون نے کہا کہ "اس میں پانی تو ڈالو۔ عابدہ نے..."

... لیکن محترمہ درشہوار صاحبہ نے اسے جھڑک دیا۔ (یو نو۔ چھوٹی بہن کی اپنی منطق)

تصور کیجیے!

بغیر پانی کے تیز آنچ پر پانچ لیٹر کے کوکر میں دال کا گلنا۔

اتنے ہی وقت میں ہمارے چھکے یعنی پسینے چھوٹ چکے تھے۔ میں نے درشہوار کو ٹھوکا دیا۔ اس نے مجھ سے آنکھوں ہی آنکھوں میں تبادلہ خیال کیا اور ہم دونوں کچن سے یہ جا وہ جا...!!

دوبارہ سے ٹھنڈے پانی سے فریش ہونے کے بعد شہوار نے درمکنون کو آواز لگائی۔

"پیٹ میں بھینسیں کود رہی ہیں درمکنون، روٹی اور چاول بن گئے؟"

"درشہوار خود کو ہلکان مت کرو۔ درمکنون صوفے پر براجمان ٹی وی سے لطف اندوز ہو رہی ہے۔"

میں نے درشہوار کو مطلع کیا۔

ویسے میں اور درشہوار شاد تھے۔

اگر درمکنون ٹی وی دیکھ رہی تھی مطلب اس نے دو گھنٹے میں چاول اور روٹی بنا لیے تھے۔

ہم تو توقع کر رہے تھے کہ کم از کم سورج ڈھل ہی جائے گا اسے روٹی چاول بناتے بناتے!!

خیر ہم تینوں تازہ دم ہو کر کچن ہی میں آ بیٹھے۔ اتنی سوندھی مہک میں نے تو زندگی میں کبھی بھی نہیں سونگھی تھی۔

ذرا غور کرنے پر دماغ نے کہا کہ، "بھئی درنجف، یہ سوندھی اور جلی ہوئی مہک ہنڈی سے اٹھ رہی ہے۔"

جی ہاں ہنڈی ابھی تک دم پر رکھی تھی۔ جسے شاید اب دمہ کا مرض لاحق ہو چکا تھا۔ درمکنون نے فوراً ہنڈی نیچے اتاری۔

آنتیں قل ھو اللہ پڑھ رہی تھیں۔ کیونکہ بارہ بجے بیدار ہونے والی صاحبزادیوں کی کوکنگ سے چار بج چکے تھے۔

اس لیے آلتی پالتی مار کر ہم کھانا تناول فرمانے کے لیے براجمان ہو ہی گئے۔ کوکر بھی چار سیٹیوں کے بعد بجھا دیا گیا۔

میں نے سوچا کہ دال میں بگھار لگا لیا جائے لیکن... لیکن!!

تھوڑی دیر پہلے جو آنتیں قل ھو اللہ پڑھ رہی تھیں اب وہی لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا ورد کر رہی تھیں۔

کیسے... کیسے زیر قلم لاؤں؟

انتہائی حد تک جلی ہوئی ہنڈی، کوکر کے پیندے سے لپٹی اور چپکی، اکڑی ہوئی دال، ڈھاکا کا نقشہ پیش کرتی ہوئی پاپڑ کی طرح کڑک روٹیاں اور دلیہ کی طرح ابلے ہوئے دو لیٹر پانی میں بنائے گئے چاول...!!

سنا تھا محنت کبھی رائیگاں نہیں جاتی لیکن...

ہاں، بہرحال اب کسی بکری معصومہ کا پیٹ ضرور بھرنے والا تھا۔ ہم تینوں لاؤنج میں آ کر دھپ سے بیٹھ گئیں۔

تبھی فون بجنے لگا۔ میں نے ریسیو کیا تو چاچو جان تھے۔ درمکنون کے کہنے پر میں نے انہیں آج دن بھر کی روداد گوش گزار کر دی اور ساتھ ہی کہا کہ ہم ترکی آ رہے ہیں۔ ہمیں یقین تھا کہ چاچو خوشی سے پھولے نہیں سما رہے ہوں گے۔

یہ فیصلہ بالکل حق بجانب تھا کیونکہ اگر چھٹی کا ایک دن اتنا شاندار گزرا تھا تو بقیہ کا اللہ حافظ!!

ہماری سمجھدار بہن درشہوار نے پیزا بھی آرڈر کر دیا تھا!!

رات کے وقت اگر آپ ہوتے تو مجھے یقین ہے کہ درمکنون کے خراٹوں سے بیدار ہو کر خراٹا اٹھا چکے ہوتے!!

والسلام!!

ترکی سے واپسی پر ملتے ہیں قارئین! ان شاء اللہ۔

■

Afshan Zarrin
Home No: 502, Somwarward
Malegaon - 423203 (Maharashtra)
Mob. No: 9561868122

شفق اسعد

انگریزی کے کلاس کی روداد

ویسے تو ہمارا شمار الحمدللہ بہت اچھے اسٹوڈنٹس میں ہوتا تھا لیکن کچھ حادثات وواقعات ہمارے ساتھ ایسے پیش آئے جنھوں نے ہماری لیاقت میں چار چاند لگا دیے۔ فللّٰہ الحمد۔

ان ہی میں سے ایک واقعہ میں یہاں ذکر کر رہی ہوں۔ ہوا کچھ یوں کہ ایک دفعہ انگریزی کی کلاس میں باجی (ہمارے اسکول میں لیڈیز ٹیچروں کو باجی کہا جاتا تھا) نے ہوم ورک میں ایک Exercise کرنے کے لیے دی تھی۔ ہم ہمیشہ روزانہ کا ہوم ورک پورا کر کے جاتے تھے۔ اسی لیے ان کو ہمارے اوپر اعتماد بھی تھا۔ اب آیئے اس دن کی روداد سنیے۔

جس دن کا ذکر ہو رہا ہے اس دن ہم کو کچھ زیادہ مصروفیت تھی جس کی وجہ سے ہم نے Exercise مکمل نہیں کی تھی اور یہ سوچا تھا کہ اسکول میں جب کوئی گھنٹی فری ہوگی تو کر لیں گے۔ شامت اعمال اس دن کوئی بھی گھنٹی خالی نہ ملی اور انگریزی کی گھنٹی آ گئی۔ باجی کلاس میں آئیں اور سب سے اپنی اپنی کاپی نکالنے کو کہا۔ اس دن قسمت ہمارا ساتھ دے رہی تھی۔ کلاس میں کسی بھی لڑکی نے ہوم ورک نہیں کیا تھا۔ اور باجی کے Exercise چیک کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ ایک جملہ پڑھتیں پھر جواب طلب نظروں سے باری باری ہر لڑکی کی طرف دیکھتیں اور سب نے جو جملہ بنایا ہوتا تھا وہ ان کو پڑھ کر سناتیں اور وہ تصحیح کرتیں۔ اس طرح ایک ہی بار میں اور کم وقت میں پوری کلاس کی کاپی چیک ہو جاتی تھی۔ اس دن بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔ باجی نے پہلا جملہ پڑھا اور پہلی لڑکی کی طرف دیکھا۔ ہم ترتیب میں تیسرے نمبر پر آتے تھے۔ الغرض انھوں نے پہلی لڑکی کی طرف دیکھا تو اس نے معذرت کر لی کہ مجھے ٹائم نہیں ملا اس لیے میں نہیں بنا سکی۔ پھر باجی نے دوسری لڑکی کی طرف دیکھا تو اس نے بھی معذرت کر لی کہ مجھے نہیں آ رہا ہے۔ پھر ہماری طرف نظر کرم ہوئی۔ تو ہم نے اپنا بنایا ہوا Sentence پڑھ دیا۔ (ملاحظہ ہو کہ ہم نے فقط چار جملے بنائے تھے) انھوں نے ہمارے جملے کی تصحیح کی۔ اور چوتھی لڑکی کی طرف متوجہ ہوئیں۔ وہ محترمہ بھی پہلی اور دوسری طالبات کی طرح معذرت خواہ ہی نکلیں۔ غرض ایک دور ختم ہوا (کیونکہ ہماری کلاس کی کل میراث یہی چار طالبات

تھیں)۔ اب باجی نے دوسرا جملہ پڑھا اور پھر وہی مذکورہ باتیں دہرائی گئیں جو پہلے جملے کے ساتھ پیش آچکی تھی۔ اس مرتبہ بھی ہم نے بڑے فخر کے ساتھ اپنا بنایا ہوا جملہ پڑھ کر سنایا اور داد وصول کی۔ پھر تیسری بار بھی یہی سب کچھ پیش آیا تو غصے کے مارے باجی کا خون کھولنے لگا (وہ بہت غصیلی مشہور بھی تھیں) اور چہرے پر طیش کے آثار نظر آنے لگے۔ لیکن انھوں نے جبر کر کے چوتھا Sentence پڑھا (جو کہ ہماری کاپی کا سب سے آخری جملہ تھا اور اس سے آگے کے جملے بنانے کی ہمیں فرصت نہیں ملی تھی)۔ ہم ابھی آگے کے جملوں کے لیے بہانے سوچ ہی رہے تھے کہ ہماری باری آگئی اور ہم نے چوتھا (اور آخری) جملہ پڑھ کر سنایا اور ابھی آگے کے جملوں کے لیے کوئی بہانہ سوچ بھی نہ پائے تھے کہ باجی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور انھوں نے کتاب زور سے پٹخ کر بند کردی اور باقی لڑکیوں کو وہ سنائیں کہ الامان والحفیظ۔ کہنے لگیں کہ کیا میں صرف ایک ہی لڑکی کو پڑھانے کے لیے آتی ہوں کہ صرف اسی نے کام پورا کیا ہے اور آپ لوگوں نے نہیں۔ پڑھنا لکھنا نہیں ہے تو آتی کیوں ہیں وغیرہ وغیرہ۔ پھر کہا کہ آج میں نہیں پڑھاؤں گی۔ آپ لوگ ابھی اور اسی وقت بیٹھ کر یہ Exercise مکمل کریں۔ ہمارا تو یہ سوچ کر ڈر کے مارے خون سوکھنے لگا کہ کہیں خدانخواستہ ہم سے ہماری کاپی چیک کرنے کے لیے نہ مانگ لیں کہ تب ہی ہمارے کانوں میں ان کی شفقت بھری آواز گونجی (کیونکہ ہم ان کی نظروں میں معتبر جو ہو گئے تھے) شفق آپ اس کے آگے والی مشق کریں۔ یہ سننا تھا کہ ہم نے راحت کی سانس لی اور اطمینان سے کتاب کھول کر اپنی پچھلی مشق مکمل کی اور ان کی عزیز شاگردوں میں ہمارا نام سرفہرست ہوگیا۔ گھنٹی بجتے ہی جیسے وہ کلاس سے نکلیں ہم سب کی ہنسی چھوٹ گئی کیونکہ سب کو معلوم تھا کہ ہم نے صرف چار جملے بنائے تھے۔ کلاس میں ہم نے بمشکل ہنسی روکی ہوئی تھی ان کے نکلنے کے بعد ہم دل کھول کر ہنسے اور ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوگئے۔ اس کے بعد اس وقت سے لے کر فراغت کے وقت تک ہم ان کے دل سے نہیں اترے۔ انھوں نے ہمیشہ ہمیں بہت عزیز رکھا اور سب پر فوقیت دی۔ جو کہ اگر اس دن ان کو حقیقت حال کا علم ہوجاتا تو شاید ان کی نظر میں ہماری یہ وقعت اور عزت نہ ہوتی۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ آج بھی جب یہ واقعہ یاد آتا ہے تو بہت ہنسی آتی ہے۔

■

Shafaq Asad
B 18/1 G Reori Talab
Varanasi - 221010 (UP)
Mob.: 9044750342

عقلمند قاضی

محمد یحییٰ جمیل

ڈاکٹر محمد یحییٰ جمیل شریمتی کیشر بائی لاہوٹی مہاودیالیہ امراوتی میں پروفیسر اور صدر شعبہ فارسی کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ شاعری، افسانہ نگاری اور تحقیق وتنقید سے ان کا گہرا رشتہ ہے۔ ان کی کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں لیمپ پوسٹ کی حکایت، دریافت، غم جاوداں، فارسی شاعری کے اسالیب کا مطالعہ، ٹکڑا ٹکڑا ورتمان، چند کتبے چند سکّے کے علاوہ بچوں کے لیے 'صدیوں پرانی بات ہے' کے عنوان سے کتاب تحریر کی ہے۔

کردار: (1) قاضی (2) بہروز (3) عمران (4) محرر (5) چپراسی

(عہد وسطیٰ کی عدالت کا منظر، ایک طرف عود جل رہا ہے۔)

قاضی: کارروائی شروع کی جائے۔

محرر: (جھک کر سلام کرتا ہے۔) حضور، آج تین مقدمے سماعت کے لیے پیش ہوئے ہیں۔ ان میں دو چوری کے ہیں، اور ایک سودے کا۔

قاضی: ٹھیک ہے، سب سے پہلے سودے کا مقدمہ پیش کیا جائے۔

محرر: جو حکم۔

قاضی: ہم......کیا معاملہ ہے؟

محرر: حضور، ایک کسان بہروز خان نے کپڑوں کے تاجر عمران رضوی کے خلاف شکایت درج کرائی ہے کہ انھوں نے عمران رضوی سے کنواں خریدا ہے۔ لیکن اب وہ انھیں اس کنویں سے پانی لینے کی اجازت نہیں دے رہے ہیں۔

قاضی: کیا اسے پوری قیمت نہیں ملی؟

محرر: قیمت ادا کی جا چکی ہے حضور۔

قاضی: ٹھیک ہے۔ دونوں کو عدالت میں حاضر کیا جائے۔

چپراسی: عمران رضوی اور بہروز خان، عدالت میں حاضر ہوں۔

(دونوں عدالت میں داخل ہوتے ہیں اور قاضی کو جھک کر سلام کرتے ہیں۔)

قاضی: عمران رضوی......؟

عمران: (مسکراتے ہوئے) جی حضور۔

قاضی: بہروز خان......؟

بہروز: (پریشانی کے ساتھ) جی حضور۔

قاضی: (کاغذ پر کچھ لکھنے کے بعد) ہاں، بہروز خان۔ اپنا معاملہ عدالت کے سامنے پیش کرو۔

بہروز: حضور والا۔ عمران میرا پڑوسی ہے۔ دو روز پہلے اس نے مجھ سے کہا کہ وہ اپنا کنواں بیچنا چاہتا ہے۔ چونکہ مجھے پانی کی قلت رہتی ہے۔ اس لیے میں نے اسے خریدنے میں دلچسپی ظاہر کی۔ عمران نے کنویں کی قیمت پچاس دینار بتائی۔ میں نے پچاس دینار میں اس کا کنواں خرید لیا۔ دوسرے روز جب میں کنویں سے پانی بھرنے پہنچا تو اس نے مجھے پانی لینے سے روک دیا۔

قاضی: کیوں؟ عمران رضوی، کیا تمھیں اپنا پیسہ نہیں ملا۔

عمران: مجھے کنویں کی قیمت مل چکی ہے حضور۔

قاضی: تم نے اسے کنواں بیچ دیا ہے اور تمھیں اس کی پوری قیمت بھی مل چکی ہے، پھر اسے پانی لینے سے روکنے کی کیا وجہ ہے؟

عمران: حضور، میں نے اسے کنواں بیچا ہے۔ کنویں کا پانی نہیں۔ اگر اسے پانی بھی چاہیے تو اسے پانی کے پچاس دینار مزید دینے ہوں گے۔

(عدالت میں شور سنائی دیتا ہے۔)

قاضی: خاموشی اختیار کریں۔ کیا معاملات کے وقت تم نے یہ بات واضح کی تھی؟

عمران: قاضی صاحب، میں نے کہا تھا کہ میرے کنویں کی قیمت پچاس دینار ہے۔ اس میں پانی کا ذکر نہیں تھا۔

بہروز: حضور والا۔ کنویں سے مراد کنویں کا پانی ہی ہوتا ہے۔

عمران: (مسکراتے ہوئے) ضروری نہیں ہے۔ کنواں سوکھا بھی ہوتا ہے۔

قاضی: تم نے درست کہا۔ کنواں سوکھا بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن جس کنویں کا سودا ہوا اس میں تو پانی تھا۔

عمران: لیکن میری منشا کنویں کے پانی سے نہیں تھی۔ میں نے صرف کنواں بیچا ہے، کنویں کا پانی نہیں۔

بہروز: حضور! میں نے پانی کے لیے ہی کنواں خریدا ہے۔ اگرچہ میں نے واضح نہیں کیا لیکن کنویں سے میری مراد کنویں کے پانی سے ہی تھی۔

قاضی: (چند لمحے سوچنے کے بعد) اچھا، عمران رضوی تم نے اسے اپنا کنواں بیچا ہے کنویں کا پانی نہیں۔

عمران: جی حضور۔

قاضی: کنواں بہروز کا ہے۔

عمران: بے شک۔

قاضی: اور پانی تمھارا۔

عمران: جی حضور۔

قاضی: بہت خوب۔ عدالت عمران کی اس بات کو منظور کرتی ہے کہ کنواں بہروز کا ہے اور پانی عمران کا۔

عمران: (خوشی سے) قاضی صاحب زندہ باد۔ قاضی صاحب پائندہ باد......

قاضی: عمران رضوی، اگر کنواں عمران کا ہے تو پھر اس میں تمھارا پانی کیوں ہے؟

عمران: جی......؟

قاضی: کیا تم دوسرے کے گھر میں بغیر اجازت اپنا سامان رکھ سکتے ہو؟

عمران: نہیں۔

قاضی: تم دوسرے کی زمین پر بغیر اجازت فصل اگا سکتے ہو؟

عمران: (گھبراتے ہوئے) جی نہیں۔

قاضی: پھر دوسرے کے کنویں میں تم نے اپنا پانی کیوں رکھا؟

عمران: جی......؟ وہ......وہ......

قاضی: اس جرم میں تم پر سو دینار جرمانہ عائد کیا جاتا ہے۔

عمران: (پریشان ہوکر) یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، حضور۔

قاضی: اور جب تک تم بہروز کے کنویں سے اپنا پانی نہیں نکال لیتے، تمھیں اپنے پانی کے لیے کرایہ ادا کرنا ہوگا۔

عمران: کرایہ......!!

قاضی: پانچ دینار یومیہ۔

عمران: روز کے پانچ دینار۔ حضور میں یہ نہیں کرسکتا۔ مجھ پر رحم کیجیے۔ میں برباد ہوجاؤں گا۔

قاضی: اگر تم نے یہ نہ کیا تو تمھیں قید کردیا جائے گا۔

عمران: (روتے ہوئے) حضور مجھ پر رحم کیجیے۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی۔

قاضی: میں کچھ نہیں کرسکتا۔ ہاں اگر بہروز تمھیں معاف کردے تو عدالت اس پر غور کرسکتی ہے۔

عمران: (بہروز کے سامنے جاکر گڑگڑاتا ہے۔) میرے بھائی مجھے معاف کردو۔ میں نے پیسوں کے لالچ میں تمھیں لوٹنا چاہا لیکن میرا پانسہ مجھ پر ہی الٹا پڑ گیا۔ میں نے تمھیں کنواں اس کے پانی کے ساتھ دیا۔ مجھے معاف کردو۔

بہروز: قاضی صاحب۔ اگر یہ کنویں کے ساتھ اس کا پانی بھی دینے کو تیار ہے تو پھر میں اپنا مقدمہ واپس لیتا ہوں اور اسے معاف کرتا ہوں اور آپ سے بھی اس پر رحم کی درخواست کرتا ہوں۔

قاضی: بہت خوب بہروز۔ عدالت تمھاری بات پر اس شخص کو بری کرتی ہے۔ آج سے کنواں اس کے پانی کے ساتھ بہروز کا ہے اور اس پر عمران کا کوئی حق نہیں۔ یاد رکھو عمران۔ جو دوسروں کے لیے گڑھا کھودتا ہے وہ خود ہی اس میں گرتا ہے۔ خبردار جو آئندہ کسی کو اس طرح لوٹنے کی کوشش کی۔

عمران: (آنسو پونچھتے ہوئے جھک کر سلام کرتا ہے۔)

■

Dr. Mohd Yayha Jameel
Baitul- Jaleel, 9, Aseer Colony
Post: VMV
Amravati - 444604 (Maharashtra)

عبدالودود انصاری

شہد: ایک نعمت

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسان کے لیے یوں تو بہت سی نعمتیں عطا کی ہیں جو اس کی بقا کے لیے ازحد ضروری ہیں۔ مگر ایک نعمت ایسی ہے جسے حقیقتاً تمام نعمتوں پر فوقیت حاصل ہے۔ جہاں دوسری نعمتیں انسان کو زندہ رہنے میں مدد دیتی ہیں۔ وہاں یہ نعمت ہر لمحہ زندگی میں اسے ہر طرح کی کامرانیوں سے ہمکنار کرتی ہے۔ یہ نعمت شہد ہے۔ لفظ شہد اردو اور فارسی میں استعمال ہوتا ہے۔ جب کہ عربی میں اسے عسل کہتے ہیں۔ قرآن مجید نے اسے شفا کی چیز بتایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں سورۃ النحل میں شہد کی مکھیوں کا ذکر یوں فرمایا ہے: ''اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ تو پہاڑوں میں گھر بنالے اور درختوں میں (بھی) اور لوگ جو عمارتیں بناتے ہیں ان میں۔ پھر ہر قسم کے پھلوں سے رس چوستی پھر۔ پھر اپنے رب کے رستوں میں چل جو آسان ہیں۔ اس کے پیٹ میں سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے جس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں کہ اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔'' (سورۃ النحل: آیت 67)

انجیل مقدس میں بھی شہد کے فوائد کا ذکر ہے۔ رگ وید نے بھی شہد کو فائدہ مند بتایا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ شہد کا استعمال مصر، یونان اور ہندوستان میں بہت زمانوں سے چلا آرہا ہے وہ لوگ بہت ساری بیماریوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے شہد کو بطور دوا استعمال کیا کرتے تھے۔ قدیم مصر تقریباً 3500 سال قبل اسے زخموں کے علاج میں استعمال کیا جاتا تھا۔ ہپوکریٹس (Hippocrates) جو ایک عظیم مفکر اور ماہر طب گزرے ہیں۔ انھوں نے تقریباً آج سے کوئی 2500 سال قبل شہد کو ادویات کا باپ (Father of Medicine) کہا تھا۔ انھوں نے بہت ساری بیماریوں میں اس کا استعمال نفع بخش بتایا تھا۔ فیثا غورث جنھیں دنیا علم ریاضی کے باپ کے لقب سے جانتی ہے۔ انھوں نے بھی شہد کی افادیت اجاگر کی تھی۔ آیورویدک کی تعلیم کے مطابق اچھی صحت اور عمر درازی متوازن غذا پر منحصر ہے اور متوازن غذا میں شہد اور دودھ کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ شہد، پھلوں اور پھولوں کے رس سے تیار ہوتا ہے۔

شہد کیا ہے؟ شہد عام درجۂ حرارت پر ایک لیس دار رقیق ہے۔ جس کا رنگ عموماً دو قسم کا ہوتا ہے۔ ہلکا زردی مائل یا بادامی۔ اس کا ذائقہ نہایت شیریں اور خوشبو فرحت بخش ہوتی ہے۔ شہد کے اندر تقریباً 21 فیصدی پانی ہوتا ہے۔ اسے اگر

50 ڈگری فارن ہائٹ تا 65 ڈگری فارن ہائٹ گرم کیا جائے تو دانے دار ہو جاتا ہے۔ یہ قدرے تیزابی بھی ہوتا ہے۔ اس کے اندر کافی دافع عفونت (Antiseptic) خاصیت ہوتی ہے۔ اسی لیے اس کا استعمال جلنے اور چیر پھاڑ کرنے میں ہوتا ہے۔ غذا کے طور پر یہ بہت زیادہ نافع ہے کیونکہ اس کے اندر وٹامن، پروٹین (لحمیہ)، خامرہ، یا انزائم (Enzyme) اور کاربوہائیڈریٹ وافر مقدار میں موجود ہوتی ہیں۔ یہ تمام اشیا انسانوں کی عمدہ صحت کے لیے نہایت ہی ضروری ہیں۔ زمانہ قدیم میں چینی کا نعم البدل شہد تھا۔

شہد کے اجزا: شہد کیمیائی تجزیہ کے بعد اس کے اندر مندرجہ ذیل اجزا پائے گئے ہیں۔

(1) خامرات (اینزائم): ڈائس ٹیز (Diastase)، انورٹیز (Invertase)، کیٹالیز (Catalase)، پرآکسیڈایز (Peroxidase) اور لائی پیز (Lipase)۔

(2) عناصر: میگنیشیم ،گندھک، فاسفورس، آئرن، کلورین، کیلشیم، پوٹاشیم اور آیوڈین

(3) حیاتین یا وٹامن: B2، B6، H، K اور C اور شہد کے اندر سیب اور گاجر سے بھی زیادہ وٹامن B2 موجود ہوتا ہے اور حیاتیاتی محرکات (Biogenetic Stimulant) کی خصوصیتیں بھی پائی جاتی ہے۔ ایک کلوگرام شہد میں 3150 کیلوریز (حرارے) ہوتے ہیں۔ شہد کا مزاج گرم ہے۔

شہد کے اقسام: بنیادی طور پر شہد کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی مونوفلورل (Mono floral) اور دوسری پالی فلورل (Poly floral)، مونوفلورل شہد کسی ایک خاص پھول کے رس سے ہی حاصل ہوتا ہے، جیسے لیچی شہد جو لیچی کے پھولوں کے رس سے حاصل ہوتے ہیں۔ پالی فلورل شہد مختلف طرح کے پھلوں اور پھولوں سے حاصل ہوتے ہیں اور اس کا نام اسی پھول کے نام پر رکھا جاتا ہے جس سے یہ حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح کے شہد کا رنگ، ذائقہ اور خوشبو بھی ان مختلف پھولوں جیسی ہوتی ہے۔

شہد دافع امراض: شہد ایک حیات بخش غذا کے ساتھ ہی ایک ایسی قیمتی شے ہے جس کے استعمال سے انسان بہت ساری بیماریوں سے شفا پا جاتا ہے۔

ذیل میں چند ایسی بیماریوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جن میں شہد کا استعمال فائدہ مند ہے۔

1 امراض قلب: شدید امراض قلب کے مریضوں کے لیے روزانہ 70 گرام شہد کا استعمال لگاتار ایک یا دو ماہ مرض کے دفع میں نمایاں کام انجام دیتا ہے۔ یہ خون کے اجزائے ترکیبی کو درست کرتا ہے اور ہیموگلوبن کی مقدار کو بڑھاتا ہے۔

2 پیٹ اور آنت کی بیماریاں: شہد کے اندر میگنیز اور آئرن دونوں عناصر ہوتے ہیں جو ہاضمے کے لیے نہایت ہی موثر ہیں ساتھ ہی ساتھ شہد قبض، تیزابیت اور السر کے لیے بھی مفید ہے۔

3 جلد کی بیماریاں: شہد کا استعمال جلد کی بیماریوں میں بہت مفید ہے۔ آج کل جدید دواؤں میں شہد کی آمیزش کر کے پھوڑے اور پھنسی کا علاج کیا جارہا ہے جلد کی دق کی بیماریوں کے لیے شہد بہترین دوا ہے۔

4 جگر کی بیماریاں: جگر کا کام غذا کے رس سے خون پیدا کرنا ہے۔ اگر جگر ٹھیک کام نہ کرے تو انسان کے جسم میں خالص خون کی کمی ہوجاتی ہے۔ شہد کے استعمال سے انسان جگر کی بیشتر بیماریوں سے نجات پاسکتا ہے۔

5 موٹاپا اور ذیابیطس: شہد احتراق انگیز مادہ کی طرح کام کرتا ہے جو جسم کے اندر کی بے جا چربی کو جلادیتا ہے۔ علی الصبح ایک گلاس نیم گرم پانی میں دو چمچہ شہد اور ایک مکمل لیمو کے عرق کو ملا کر برابر استعمال کیا جائے تو موٹاپا زائل ہوجاتا ہے۔ سارا دن توانائی بحال رکھتا ہے۔ چہرے پر نکھار لاتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ذیابیطس کے مرض میں بھی افاقہ ہوتا ہے۔

6 کاسمیٹک کے طور پر: شہد کاسمیٹک کی تیاری میں اہم مقام رکھتا ہے۔ چہرے کی جلد اور بالوں کی حفاظت اور ملائم رکھنے میں اس کا استعمال بہت ہی مفید ہے۔ عمدہ قسم کے شیمپو کے اندر انڈا کی زردی، میدہ، خوشبودار روغن یا دہی بادام کا تیل اور گلاب پانی کے ساتھ شہد کی بھی آمیزش کی جاتی ہے جو جلد کو ملائم اور بالوں کو صحت مند بناتا ہے۔

شہد کے عمومی فائدے

1 یہ ایک مصفّٰی خون ہے۔

2 یہ جسمانی حرارت اور توانائی پیدا کرتا ہے۔

3 یہ نہایت لطیف اور زود ہضم ہے۔

4 یہ پیٹ کی آنو (Mucous) کو دور کرتا ہے۔

5 یہ جسم کے بہتے ہوئے خون کو بند کردیتا ہے۔

6 یہ پھوڑے اور پھنسی کے زخم کو بھر دیتا ہے۔

7 اس کے اندر فولاد کی موجودگی جسم کے اعضا کی ساخت کو مضبوط کرتی ہے۔

8 یہ گلے کی خراش اور بلغم رفع کرتا ہے۔

9 یہ سوجے اور پھولے ہوئے پستانوں کی سوجن ختم کرتا ہے۔

10 سردرد کے لیے پیشانی اور پیٹ درد کے لیے پیٹ اور ناف پر شہد ملنے سے درد دور ہوجاتا ہے۔

11 جسم کے کسی حصے پر خراش اور موچ آنے پر شہد کے استعمال سے خراش اور موچ کی تکلیف ختم ہوجاتی ہے۔

12 جسم کے کسی حصے کے جل جانے پر وہاں شہد لگانے سے تکلیف دور ہوجاتی ہے۔

13 چارکول پاؤڈر کو شہد میں ملا کر استعمال کیا جائے تو دانت سفید ہوجاتا ہے۔

14 جسمانی اور دماغی تکان کو دور کرتا ہے۔

15 اس کے استعمال سے تمباکو یا شراب کی عادت چھڑائی جاسکتی ہے۔ مندرجہ بالا فوائد کے علاوہ شہد کا استعمال، پیچش، نیند نہ آنا، نزلہ وزکام، میعادی بخار، امراض چشم، امراض کان، امراض حلق، سینہ اور پھیپھڑوں کی بیماریاں، امراض گردہ۔ گٹھیا، بواسیر کی شکایت، فالج ولقوہ کے لیے نیز پیشاب جاری کروانے کے لیے بھی مفید ہوتا ہے۔

■

ماخذ: اوراق سائنس، مصنف: عبدالودود انصاری، سنہ اشاعت: 2019، ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

- رسالے میں بچوں کے ادیبوں کے تعارف اور تصویر کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کے ادیبوں کی ڈائرکٹری ترتیب دینے والوں کو مدد مل سکے۔
- معلومات عامہ، صحت، زبان شناسی، تاریخ، تہذیب، سائنس و ٹیکنالوجی، جغرافیہ، آثار قدیمہ اور اہم شخصیات سے متعلق تخلیقات ترجیحی طور پر شائع کی جائیں گی۔
- 'مستقبل کے قلمکار' عنوان کے تحت بچوں کی تحریروں کو خاص طور پر شائع کیا جائے گا۔
- بچوں کے ادیبوں کے انٹرویوز اور رسائل کے مدیران پر ایک سیریز شروع کی جائے گی۔

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—— ادارہ

اونچی اڑان

شہباز پروین

بچو! اب اس بات میں شک کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی ہے کہ آج کل کے بچے کافی ذہین ہیں۔ خاص کر 12-10 سال کی عمر کے بچوں میں ذہانت اتنی زیادہ بڑھ گئی ہے کہ انھیں اب راجا رانی، دیو پری، علاء الدین کے چراغ جیسی کہانیاں متاثر نہیں کرتی ہیں۔ نئے عہد میں بچوں کی ذہنی ترجیحات بدل چکی ہیں۔ اس کا احساس آج سے قریب چھ سال قبل 2015 میں ملک کے مشہور افسانچہ نگار ڈاکٹر ایم اے حق کو ہو گیا تھا۔ ان کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ جب بڑوں کے لیے افسانے سے افسانچے لکھنے کی روایت شروع ہو سکتی ہے تو ذہنی طور پر زیادہ سمجھ دار بچوں کے لیے ادب اطفال سے افسانچہ اطفال کیوں نہیں؟

دراصل ایم اے حق صاحب آج سے لگ بھگ 46 سال سے بچوں کا ادب لکھ رہے ہیں۔ ان کی کہانیاں اس زمانے میں یعنی 65-1964 میں شائع ہونے والے بچوں کے رسالے ماہنامہ بچپن بریلی، ماہنامہ ٹافی، نونہال ٹائمز، ممبئی، اردو کومک، مالیگاؤں وغیرہ میں بڑی باقاعدگی سے چھپتی تھیں۔ انھوں نے افسانچہ اطفال کی پہلی کتاب 'اونچی اڑان' لکھی ہے۔ اس کتاب میں مختصر انداز میں بچوں کی اخلاق سازی، انھیں ایک ہوشیار اور ذمے دار شہری بنانے کے گر، سائنسی ایجادات سے فائدہ اٹھانے کی ترکیب، قومی یکجہتی کے جذبے کو فروغ دینے، فلاح انسانیت کی طرف راغب کرنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ اس کتاب میں کچھ جاسوسی کہانیاں بھی شامل ہیں جن کو پڑھ کر بچوں کو ضرور مزہ آئے گا۔ اس میں تفریح کے انوکھے طریقے بھی بتائے گئے ہیں جو کھیل کھیل میں پڑھائی کا لطف دیتے ہیں۔ ایک افسانچہ دیکھیے:

"ہندو مسلم فساد میں لگے کرفیو کے تین دنوں بعد آج صبح دس بجے سے گیارہ بجے تک ایک گھنٹے کی ڈھیل دی گئی تھی۔

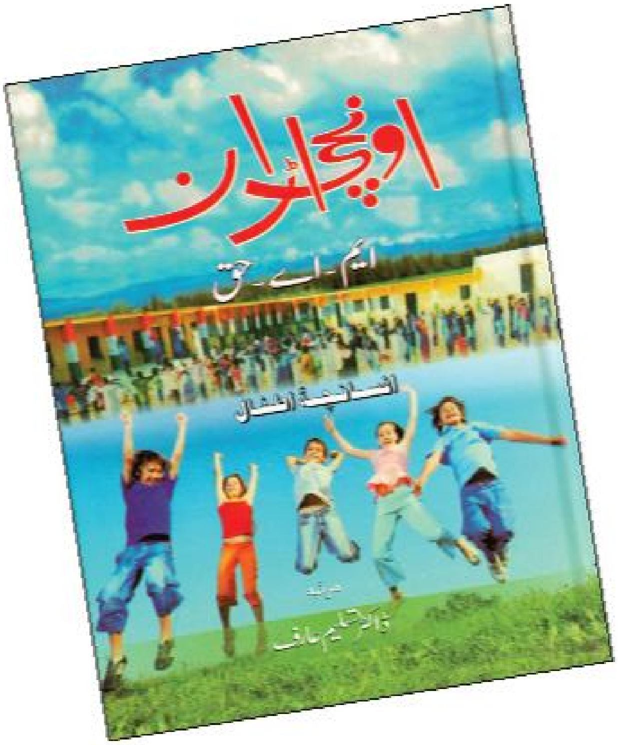

اونچی اڑان، مصنف: ایم اے حق، مرتب: ڈاکٹر تسلیم عارف
صفحات: 136، قیمت: 300 روپے، سنہ اشاعت: 2020،
ملنے کا پتہ: ثریا پبلی کیشن، رانچی (جھارکھنڈ)

بازار میں ہر طرف افراتفری مچی ہوئی تھی۔ دوا اور غلے کی دکانوں میں سب سے زیادہ بھیڑ تھی۔ پیسہ ہونے کے باوجود لوگ سامان نہیں خرید پا رہے تھے۔ وجے نے اپنے چچا سے پانچ کیلو چنا اپنے ایک دوست کو دینے کی بات کی:

"کون دوست؟ کیا وہ تمھارے ساتھ پڑھتا ہے؟"

"ہاں پاپا آپ ناصر کو نہیں جانتے؟ وہ یہاں تو کئی بار آیا ہے اور میں بھی تو اس کے گھر پر جاتا ہی رہتا ہوں۔"

"لیکن تم ایک مسلم کی مدد کروگے؟"

"تو کیا مسلمانوں کو بھوک نہیں لگتی پاپا... آپ بھی نا!!"

وجے کا جواب سن کر آج پہلی بار اس کے والد کو اپنا قد اپنے بیٹے سے چھوٹا لگ رہا تھا۔ (مدد)

اس طرح کی اور بھی نصیحت آموز اخلاقی کہانیاں اس کتاب میں موجود ہیں جن سے بچوں کو اچھے کام کرنے کی ترغیب وتحریک بھی۔ ایک اور افسانچہ ہے:

"لاک ڈاؤن ختم ہو چکا تھا۔ لگ بھگ دو ماہ کی بندی کے بعد اسکول کو کھلے آج تیسرا دن تھا۔ اس دوران بچوں کی پڑھائی کا کافی نقصان ہوا تھا۔ کاروبار بھی بالکل ٹھپ پڑ گئے تھے۔ خاص کر روزانہ کمانے، کھانے والے تو دانے دانے کو محتاج ہو گئے تھے۔ آج لڑکوں سے اسکول فیس لانے کو کہا گیا تھا۔ کلاس ٹیچر رول نمبر کے مطابق باری باری سے لڑکوں کو پکار رہے تھے۔ "رول نمبر 23...... 23 ...... ارے بھئی بولتے کیوں نہیں... کون ہے رول نمبر...." کلاس ٹیچر کی کرخت آواز سن کر آٹو رکشہ چلانے والے شیام سندر داس کا لڑکا راجیش چپ چاپ اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔

"کچھ بولتے کیوں نہیں؟ فیس نہیں لائے ہو کیا؟" ماسٹر صاحب کے پوچھنے پر راجیش اور نروس ہو گیا۔ بڑی مشکل سے اس کے گلے سے پھنسی پھنسی آواز نکلی:

"ج...ج...جی... نہیں لایا ہوں۔"

"تو جاؤ! اب گھر میں پڑھو... اس سے پہلے بھی میں نے تم کو وارننگ دی تھی... آج تمھارا نام اسکول سے کاٹ دیا جائے گا" آواز میں تلخی بہ دستور قائم تھی۔

راجیش نے خاموشی سے اپنا بستہ اٹھایا اور دھیرے دھیرے کلاس سے باہر جانے لگا۔

"رول نمبر 24..." کلاس ٹیچر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

"راجیش... رک جاؤ... سر راجیش کی فیس دوں گا" ماسٹر صاحب نے آواز کی جانب دیکھا۔ اسکول کے چپراسی امام بخش کا بیٹا عمر راجیش کو لیے ان کی ٹیبل کی طرف بڑھ رہا تھا۔" (واہ، ص 35)

اس کتاب میں اسی طرح کے بہت سے افسانچے شامل ہیں جن میں نصیحت، ترکیب، اخلاق، ٹریننگ، پہل، ذہانت، ناکام سازش، معافی، ضدی شہزادہ، ویڈیو گیم، اوور اسمارٹ، ہابیل اور قابیل، استاد اور شاگرد، بچہ مزدور، دوراندیشی، مہنگا فلیٹ وغیرہ کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔

آج نئی ٹیکنالوجی کے عہد میں چونکہ بچوں کے موضوعات بھی بدل رہے ہیں۔ اس لیے ایم اے حق نے اپنے افسانچوں میں ان موضوعات کا بطور خاص خیال رکھا ہے۔

'اونچی اڑان' میں شامل تخلیقات کا مطالعہ ہمیں اس بات کا بھی پتا دیتا ہے کہ نئی نسل کس قدر ہوش مند اور سمجھ دار ہے۔ یہاں یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ جدید ٹکنالوجی سے بہرہ ور ہونا کتنا ضروری ہے اور ان کے استعمال سے کن کن پریشانیوں سے بچا جاسکتا ہے۔ اس موضوع پر گوگل، باخبر اور تنبیہ اہم کہانیاں ہیں۔

اس کتاب میں بہت سے مشاہیر ادب کے تاثرات بھی شامل ہیں جس سے ایم اے حق کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور خاص بات یہ ہے کہ ان افسانچوں میں انھوں نے بچوں کی کردار سازی پر خاص توجہ دی ہے۔

■

Shahbaz Parveen
Senior Research Fellow
Dept. of Urdu, Ranchi University
Ranchi - 834002(Jharkhand)

پلمبزم
(Plumbism)

عظیم اقبال

صحت ہی زندگی ہے، یہ مہاتما گاندھی نے کہا تھا۔ کچھ اسی طرح کی بات اردو کے ایک شاعر نے بھی کہی ہے:

تنگ دستی اگر نہ ہو سالک   تندرستی ہزار نعمت ہے

صحت اور تندرستی زندگی کے لیے بہت لازمی ہیں۔ ذہنی صحت کے لیے جسمانی صحت کی ضرورت پڑتی ہے اسی لیے اگر شروع سے ہی صحت اور تندرستی کے تعلق سے لاپرواہی کے بجائے بیداری کا رویہ اختیار کیا جائے تو انسان بہت ساری بیماریوں سے بچ سکتا ہے۔ ہمارے عہد میں بچوں کی صحت ایک بڑا مسئلہ ہے، اس پر سنجیدگی سے توجہ دیے جانے کی ضرورت ہے۔ بچوں کی صحت کے تعلق سے 'بچوں کی دنیا' میں یہ کالم اس لیے شروع کیا گیا ہے تاکہ والدین کے ساتھ ساتھ بچے خود بھی اپنی صحت اور تندرستی کا خیال رکھ سکیں۔

آج نئی بیماریاں اور ان سے جڑی اصطلاحیں بھلے ہی کانوں کو نا آشنا لگیں، لیکن ان کی حقیقت سے کسی طور سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ انہی میں سے ایک نام پلمبزم ہے، جس سے آشنائی ضروری ہے۔

پلمبزمُ ایک طبی اصطلاح ہے۔ اس کا استعمال لیڈ (Lead) کی زہرخورانی کے حوالے سے کیا جاتا ہے۔ لیڈ یا لیڈ ایک کیمیائی عنصر ہے، جس کا استعمال صنعتوں میں وسیع پیمانے پر ہوتا ہے۔

پلمبزمُ اس وقت ہوتا ہے جب لیڈ اور خون کی سطح مساوی یا زائد از فی ڈیسی لیٹر (Decilitre)ugm-10 گرام ہو، اس سطح پر معلوم کی صاف نظر آنے لگے۔

آیئے دیکھیں کہ یہ زہرخورانی بچوں کو کیسے اپنی گرفت

میں لیتی ہے۔ بچپن میں لیسے کی زہرخورانی لیسے والے رنگوں (Paints) پلاسٹر وغیرہ کے اجزا معدے میں پہنچ جانے سے ہوتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ بچے لیسے کی زہرخورانی کے آسان ترین نشانہ ہوتے ہیں۔اس سے بچوں کو بچانے کی ضرورت ہے۔

اس کے ہونے کا امکان ان بچوں میں ہے، جو ایسے گھروں میں رہتے ہوں، جہاں پلاسٹر خستہ حال ہو، یا ایسے مکانوں میں جن کی جدید کاری (Qenovation) چل رہی ہو۔ لیسے کی بازیابی والے ورکشاپ، یا بچوں کے والدین یا دیگر مکین اگر لیسے سے وابستہ پیشے میں ہوں، جن کی خوراک میں فولاد، کیلشیم، یا جستے کی قلت ہو، یا جن کی بڑھوتری میں التوا کا سامنا ہو یا جو سارا بچپن وہ اشیا کھاتے رہے ہوں، جو خوردنی اشیا نہیں ہیں، لیسے کی زہرخورانی کے دیگر وسیلے ہیں۔ جیسے کھلونا، جھولا، فرنیچر، رنگنے والی پنسلیں (Crayons)، پلاسٹر پٹی (Putty)، مٹی، اضافی کیلشیم، فرش، چند سامان آرائش (Cosmetics)، شیشے (Glass) سازی کے سامان، رنگ کے ذرات (Cigments) دھول، رنگی ہوئی لکڑی جلانا وغیرہ۔

کچھ دیر پیشے، جیسے آٹو ریپرنگ، کان کنی، دھات گلانے کا کام (Smelting)، بیٹری سازی (Battery Manufacturing) تعمیرات، پائپ فٹنگ، ویلڈنگ، پینٹنگ وغیرہ اس زمرے میں آتے ہیں۔

اب آیئے سیسے کی زہرخورانی کی علامتوں پر ایک نگاہ ڈالیں۔ وہ علامتیں یہ ہیں۔ چڑچڑاپن، غصے کی عادت، بے خوابی، توجہ کا فقدان، حد سے بڑھی ہوئی چلبلاہٹ (Hyperactivity) ناقص اشیا، بولنے میں التوا، سمجھنے میں دقتیں، خون کی کمی (اینمیا)، درد معدہ، غشی، ظاہری بے ترتیبی اور فروغ میں التوا۔ (Delay in Developement)

ان میں سے ساری علامتیں خطرے کی گھنٹی ہیں تا کہ بچے کی صحت کے متعلق آپ وقت رہتے خبردار ہو جائیں۔

لیسے کی زہرخورانی سے خصوصاً جو بچے پہلے سے ہی متاثر ہیں، انھیں ایسی غذا دینی چاہیے جو فولاد، کیلشیم اور زنک (Zinc) سے بھرپور ہو۔ اس سے بیماری کا اثر کم ہوگا۔

مرض سے تحفظ کے لیے مندرجہ ذیل ہدایات پر عمل کریں:

- رنگ یا پلاسٹر کی جزیات کو صاف رکھیں، فرش، کھڑکیوں کے فریم اور چوکھٹ کو کسی کلینزر (Cleanser) سے صاف کرتے رہیں۔
- بچوں کے ہاتھ بار بار صاف کرائیں، کھانے سے پہلے اور سوتے وقت ہاتھ ضرور دھلائیں۔ بچوں کے کھانے کی جگہ صاف رکھیں۔
- انھیں کھڑکی کے داسے (Sill) یا دوسرے رنگے ہوئے حصے چبانے سے روکیں۔
- برابر ویکیومنگ (Vacuuming) کے ذریعے گرد کی صفائی کرتے رہیں۔
- شکستہ رنگین سطحوں کی مرمت کرادیں یا انھیں ٹیپ (Tape) سے ڈھک دیں۔ کھیلنے کی جگہ گھاس سے پر رکھیں۔

بچو! یاد رکھو کہ علم ہی طاقت ہے۔ علم کی جہتیں بے شمار ہیں، لیکن تمام چیزوں اور تمام حالات کی آگہی اور ممکنہ اجتناب سے ہم مسائل کو ٹال سکتے ہیں یا ان کے اثرات کو زائل کر سکتے ہیں۔ 'ملمونم' کی واقفیت اور اس کے متعلق باتیں ہمیں آپ کو صحت مند رکھنے میں یقیناً معاون ہوں گی۔

■

Azim Iqbal
Adabistan
Ganj - No-1
Bettiah - 845438

عبدالناصر

محاورے

دل آب آب ہونا : دل کا نرم ہونا۔

دل آزردہ ہونا : ملول ہونا، ناخوش ہونا، افسردہ ہونا۔

دل آہن ہونا : دل سخت ہونا۔

دل آئینہ ہونا : دل پر نیک و بد خود بخود ظاہر ہونا۔

دل اچاٹ ہونا : جی اکتانا، جی نہ لگنا۔

دل اختیار میں ہونا : دل قابو میں ہونا۔

دل باغ باغ ہونا : بہت خوش ہونا، مسرور ہونا۔

دل بحال ہونا : دل کی کدورت دور ہونا، دل کو چین آنا۔

دل برا ہونا : دل ناراض ہونا، جی کھٹا ہونا، خفگی ہونا۔

دل بڑھنا : ہمت بڑھنا، حوصلہ بڑھنا، دلیر ہونا۔

دل بلیوں اچھلنا : بہت بیتاب ہونا، گھبرانا۔

دل بودا ہونا : دل کمزور ہونا، تکلیف نہ اٹھا سکنا۔

دل بھر آنا : آنکھوں میں آنسو آنا، رقت ہونا۔

دل بے ایمان ہونا : بددیانتی کرنا، دل میں برے خیال آنا۔

دل پارہ پارہ ہونا : پاش پاش ہونا، روحانی صدمہ پہنچنا۔

دل پتھر ہونا : مصیبت برداشت کرتے کرتے دل کا سخت ہو جانا۔

دل پر پتھر رکھ لینا : صبر کر لینا، دل سخت کر لینا۔

دل پر چوٹ لگنا : صدمہ پہنچنا، دل پر اثر ہونا۔

دل پر سانپ لوٹنا : افسوس کرنا، پچھتاوا ہونا، صدمہ ہونا۔

دل پر قفل لگنا : دل کے راز پوشیدہ رکھنا۔

دل پر کندہ ہونا : کسی بات کا دل پر اثر ہونا۔

دل پر گھونسا پڑنا : اچانک کوئی صدمہ پہنچنا۔

دل پر میل نہ لانا : خیال نہ کرنا، برا نہ ماننا۔

دل پر نشتر مارنا : چبھتی ہوئی بات کہنا، تکلیف دہ بات کہنا۔

دل پر نقش ہو جانا : کسی بات یا موضوع کا دل پر بیٹھ جانا۔

دل پر ہاتھ رکھنا : تشفی و تسلی دینا۔

دل پسیجنا : کسی کی حالت کو دیکھ کر دل میں رحم آنا۔

دل پکڑ کر بیٹھ جانا : صدمے کی وجہ سے بول نہ سکنا یا گھبرا جانا

دل پکڑے پھرنا : بے تاب ہونا، مضطرب ہونا۔

دل پھٹا جانا : ہمدردی کی وجہ سے صدمہ ہونا۔

دل تنگ ہونا : مضطرب ہونا، پریشان ہونا، بخیل ہونا۔

دل تونگر ہونا : سخی ہو جانا، غربت کا رنج نہ رہنا۔

دل جلنا : رنج ہونا، غم ہونا۔

دل جھکنا : دل کا کسی جانب مائل ہونا۔

دل چاک کرنا : صدمہ پہنچانا، رنج دینا۔

دل چھلنی کرنا : سخت رنج دینا۔

دل چیر کر دیکھنا : دل کا حال معلوم کرنا۔

دل داغدار ہونا : دل پر بہت صدمے پہنچنا، دل مغموم ہونا

دل سرد ہو جانا : ولولہ اور جوش ٹھنڈا پڑنا، متنفر ہونا۔

دل سے اتارنا : نظروں سے گرانا، بے وقعت کر دینا۔

■

ماخذ: اردو میں مستعمل محاورے، مصنف: ڈاکٹر عبدالناصر، اشاعت: 2019، ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

معلومات عامہ

س: قوس وقزح میں کتنے رنگ ہوتے ہیں؟

ج: سات

س: جنگل کا بادشاہ کس جانور کو کہا جاتا ہے؟

ج: شیر کو

س: لیپ ایئر میں فروری میں کتنے دن ہوتے ہیں؟

ج: 29 دن

س: دنیا کا سب سے بڑا جانور کون ہے؟

ج: بلو وہیل (Blue Whale)

س: زمین کا سب سے لمبا جانور کون ہے؟

ج: ژراف (Giraffe)

س: رنگوں کا تہوار کس کو کہا جاتا ہے؟

ج: ہولی۔

س: روشنی کا تہوار کسے کہا جاتا ہے؟

ج: دیپاؤلی۔

س: دنیا کا سب سے بڑا پھول کون سا ہے؟

ج: Rafflesia

س: سال کے کتنے مہینوں میں 31 دن ہوتے ہیں؟

ج: جنوری، مارچ، مئی، جولائی، اگست، اکتوبر، دسمبر

س: زمین کے قریب سب سے نزدیک سیارہ کون سا ہے؟

ج: سورج

س: زمین پر لمبا دریا کون سا ہے؟

ج: نیل

س: دنیا کا سب سے اونچا پہاڑ کون سا ہے؟

ج: ماؤنٹ ایورسٹ (Mount Everest)

س: دنیا کا سب سے بڑا سمندر کون سا ہے؟

ج: Pacific Ocean

س: کمپیوٹر کا موجد کون ہے؟

ج: Charles Babbage

س: ریڈیو کس نے ایجاد کیا؟

ج: مارکونی (Marconi)

س: ہمارے سولر سسٹم میں کتنے پلانیٹس ہیں؟

ج: آٹھ

س: ٹیلیفون کس نے ایجاد کیا؟

ج: الیکزنڈر گراہم بیل (Alexander Graham Bell)

س: سب سے پہلے ڈاک ٹکٹ کا استعمال کب شروع ہوا؟

ج: مئی 1884 میں

س: ہندوستان میں پہلا جنرل پوسٹ کس جگہ قائم ہوا؟

ج: چینئی (مدراس)

س: آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا مزار کہاں ہے؟

ج: رنگون

س: یوروپ کا سب سے مشہور کھیل کون سا ہے؟

ج: فٹ بال

س: کون سا پرندہ ہے جو اپنے بچوں کو دودھ پلاتا ہے؟

ج: چمگادڑ

■

چمن چمن کے پھول

شاعری میں بڑی طاقت ہے۔ اس سے تحریر و تقریر میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، خطاب میں زور اور تحریر میں قوت پیدا کرنے کے لیے اشعار کا استعمال بہت کارگر ہوتا ہے۔ پرانے زمانے کے لوگوں کو استاد شعرا کے ہزاروں اشعار یاد ہوا کرتے تھے اور وہ موقعے کی مناسبت سے ان اشعار کا استعمال بھی کیا کرتے تھے۔

'چمن چمن کے پھول' میں مختلف رنگ اور شاعروں کے شعر اس لیے دیے جاتے ہیں تاکہ بچے موضوع کی مناسبت سے اچھے اشعار یاد کریں اور اپنی تحریر و تقریر میں اشعار کا موزوں اور برمحل استعمال کر سکیں۔ (ادارہ)

مکھ ترا آفتاب محشر ہے
شور اس کا جہاں میں گھر گھر ہے

ولی اورنگ آبادی

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو
یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے

مرزا مظہر جانجاناں

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّ و بیاں

خواجہ میر درد

قسمت تو دیکھو ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند
کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا

قائم چاند پوری

حسرت پہ اس مسافرِ بے کس کی روئیے
جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

غلام ہمدانی مصحفی

بازار جہاں میں کوئی خواہاں نہیں تیرا
لے جائیں کہاں اب تجھے اے جنس وفا ہم

راسخ عظیم آبادی

اس باغ میں صبا تھے نہ گل کو نہ خار کو
اسفل رہے جہاں میں نہ عالی نسب رہے

شیخ امام بخش ناسخ

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزارہا شجر سایہ دار راہ میں ہے

خواجہ حیدر علی آتش

بازار بند، راستے سنسان، بے چراغ
وہ رات ہے کہ گھر سے نکلتا نہیں کوئی

ناصر کاظمی

گھر جل گئے تو کیا ہے بنا لیں گے اور گھر
لیکن یہ دکھ بڑا ہے کہ رشتے بھی جل گئے

ظفر صہبائی

ایک پتھر کی بھی تقدیر سنور سکتی ہے
شرط یہ ہے کہ سلیقے سے تراشا جائے

منظور ندیم

■

ماخذ: گلدستۂ نگاہ، مرتب: ڈاکٹر محمد شرف الدین ساحل
سالِ اشاعت: 2011

محمد حمدان، درجہ نہم، گاڈس گریس اسکول، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی

غزالہ نجم الہدیٰ، درجہ دہم، جامعہ گرلس سینئر سیکنڈری اسکول، نئی دہلی

سفیان شیخ سمیر، درجہ دوم، ملینیم انگلش اسکول
مزروواڑی، اورنگ آباد، مہاراشٹر

آمنہ صدیقی، درجہ ہشتم، حسن پورہ، ضلع سیوان، بہار

نصرہ مریم، کلاس سوم، دارالسلام، انگلش اسکول، آکوٹ (مہاراشٹر)

قرۃ العین شیخ صدیقہ شیخ سہیل احمد، پتھری، ضلع پربھنی، مہاراشٹر

ایک کلک پر ادب اطفال کا بیش بہا خزانہ

پیارے بچو! آپ کے ذوق کی کتابیں اگر نہیں مل پا رہی ہیں تو مایوس نہ ہوں۔ قومی اردو کونسل کے موبائل ایپ (ekitaab) اور ویب سائٹ (https://www.urducouncil.nic.in/) پر آپ کے لیے بہت سی مفید کتابیں موجود ہیں۔ اسے آپ ڈاؤن لوڈ کر کے پڑھ سکتے ہیں۔

बच्चों की दुनिया मासिक, मई 2021, वर्ष 9, अंक 5
BACHON KI DUNIYA Monthly, May 2021 Vol. 09, Issue: 05
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2019-21
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/04/2021
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

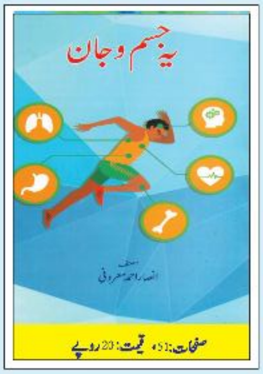

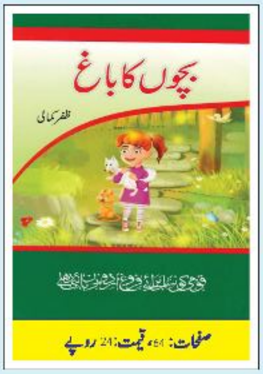

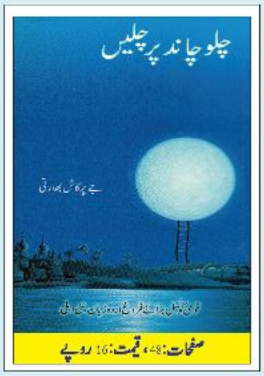

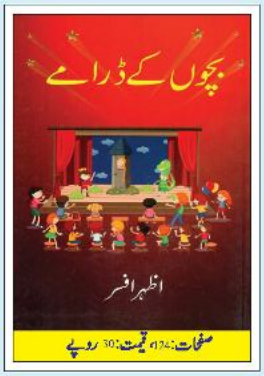

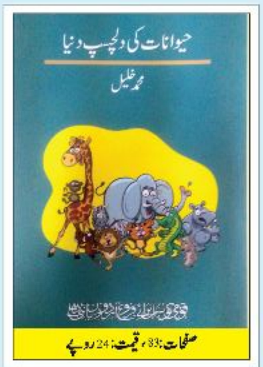

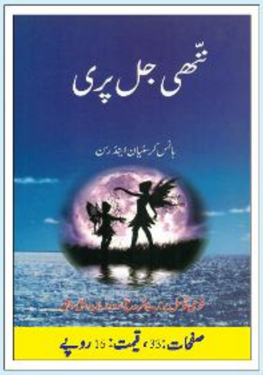

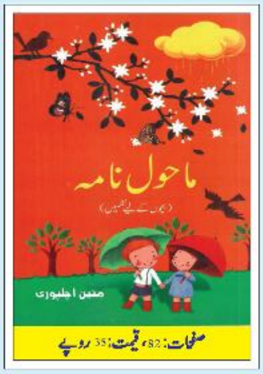

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی–110066

فون:011-26109746، فیکس:011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.
LPC DELHI,DELHI PSO,DELHI RMS,DELHI-6